# فہرست مضامین


| | | |
|---|---|---|
| | تعارف | 8 |
| | آپ نفسیاتی مسائل کا شکار تو نہیں | 9 |
| | نوجوان نسل کا خود اعتمادی کا بحران | 10 |
| | نوجوان نسل کے مسائل و مشکلات کی نوعیت اور اس کے اسباب پر ایک نظر | 11 |
| | نوجوان نسل دوراہے پر اور اس سے نکلنے کی صورت | 13 |
| | نوجوان نسل اپنی کمزوریوں پر کس طرح قابو پالے؟ | 15 |
| | نفسیات کی درستگی کے عمل کی بہتر صورت | 17 |
| | روحانی مسرت کی زندگی پر سوما دی دنیاؤں کا قربان ہونا | 19 |
| | زندگی کے رخ کو بہتر سمت میں موڑنے کی ضرورت | 20 |
| | نفس کی قوت کو سمجھنے اور اسے مہذب بنانے کی ضرورت | 21 |
| | ہمارے زوال کا سب سے اہم اور بنیادی سبب | 23 |
| | تزکیہ نفس کی راہ میں اصل رکاوٹ | 26 |
| | خدمت دین کا کام اور جدید دور میں اس کی اہمیت | 27 |
| | برداشت سے کام لینے کی ضرورت | 30 |
| | نرمی کے ذریعہ دوسروں کی دلجوئی کی ضرورت | 32 |
| | خاموشی اور تفکر کی اہمیت | 35 |
| | خاموشی اور تفکر ایک نظر میں | 37 |
| | تکبر اور بڑے پن کی نفسیات اور اس سے بچاؤ کی صورت | 39 |
| | تعلقات کو نبھانے اور خوشگوار بنانے کی صورت | 41 |
| | مسلم دنیا کی حالت زار اور از سر نو ابھرنے کی صورت | 43 |
| | خیالی قوت کو مثبت بنانے سے ہر طرح کے فساد سے بچاؤ کی صورت | 45 |
| | زمانہ کو طاقتور اخلاقی اور روحانی قیادت اور مردان کار کی ضرورت | 47 |
| | ایک دوسرے کی عزت و تکریم کا ہونا | 49 |
| | موجودہ دور میں اصلاح کے عمل کا دشوار سے دشوار تر ہونا | 51 |
| | عقل کی حیثیت، وحی کی رہنمائی میں زندگی کا سفر طے کرنا | 53 |
| | مانگے بغیر مشورہ کے نقصانات | 56 |
| | عزت کے مصنوعی معیار۔ ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت | 58 |
| | خود نمائی اور خود ثنائی کی بیماری اور اس کے مہلک اثرات | 61 |
| | آیئے عہد کریں | 63 |
| | انسانی نفس کی نوعیت کو سمجھے بغیر علوم کا بے نتیجہ ہونا | 65 |
| | نوجوان نسل کی اہمیت اور اس کی صلاحیتوں کے بہتر استعمال کی صورت | 66 |
| | معاشی جدوجہد میں توازن کی ضرورت اور اس کے فوائد و ثمرات | 67 |
| | سکون کی تلاش اور اس کی حقیقی صورت | 68 |
| | اللہ کی محبت اور سچی روحانیت کو عقل کے ذریعہ سمجھنے کے نتائج | 70 |
| | بزرگان دین کے علوم سے عدم آشنائی کی شکایت اور شناسائی کی صورت | 71 |
| | قرآن کو پیش کرنے کے لئے سلف صالحین کے قرآنی علوم سے استفادہ کی ضرورت | 72 |
| | غلبہ اسلام کی ضرورت اور اس کی صحیح ترتیب | 74 |
| | نفسی قوتوں کے بارے میں نصابی کتب کے ذریعہ فہم پیدا کرنے کی ضرورت | 76 |
| | خود رائی کی بیماری اور اس کے نتائج | 78 |
| | عبرت و موعظت کی صلاحیت کا سلب ہونا، عتاب کی علامت ہے | 80 |
| | ایک فاضل شخصیت کی طرف سے مربی اساتذہ سے صحبت و رابطہ کی تلقین | 82 |
| | زندگی کا رخ متعین کرنے میں عشق و محبت کا کردار | 84 |

| | | |
|---|---|---|
| | مراقبہ (میڈیٹیشن) کا اسلامی تصور | 86 |
| | نوجوان کا مادہ پرست قوتوں کے زیر اثر ہونا | 87 |
| | کامیاب زندگی کے لئے تین چیزوں کی ضرورت | 88 |
| | ضمیر کی بیداری کے بغیر انسانیت کا نئے نئے بحرانوں سے دوچار ہونا | 89 |
| | تصوف کی مروجہ صورت اور حقیقی تصوف | 90 |
| | حقیقی تصوف سے دوری، اسباب ونتائج | 92 |
| | جعلی تصوف کو فروغ دینے کی کاوشیں | 93 |
| | اہل سیاست کو ایک دوسرے کے لئے جذبات احترام کی ضرورت | 94 |
| | دولت کا جنون، سکون قلبی کی بربادی کا ذریعہ | 95 |
| | ذہنی اور نفسیاتی بالیدگی کی صورتیں | 96 |
| | زندگی میں موجود زبردست خلا کو سمجھنے اور اسے پُر کرنے کی ضرورت | 97 |
| | قومی تعمیر نو کے کاموں کے لئے روحانی قوت کی ضرورت | 98 |
| | انسانیت کا باطنی بیماریوں میں جکڑ جانا | 99 |
| | قومی تعمیر کے کام کا نفس کو مہذب بنانے سے وابستہ ہونا | 100 |
| | بیداری ملت کے سلسلہ میں اہل تصوف کا کردار | 101 |
| | حقیقی اہل اللہ کی صحبت کے فوائد وثمرات، ایک نظر میں | 103 |
| | سچی روحانیت کی طلب کے ختم ہو جانے کا المیہ | 105 |
| | ہر شخص کے نفس کا فرعون اور قارون بننا | 106 |
| | جدید دور میں تین نئے بتوں کی پوجا کا ہونا | 107 |
| | سچی روحانیت سے خوشی کے لازوال احساسات کیوں حاصل ہوتے ہیں | 108 |
| | مراقبہ کا اسلامی تہذیب کا اہم حصہ ہونا | 109 |
| | مادی مراقبہ اور اسلامی طریقۂ مراقبہ، ایک موازنہ | 110 |
| | مراقبہ کیسے ہو؟ | 112 |
| | مراقبہ کے لئے بعض احتیاطی تدابیر | 113 |
| | روحانی استاد کی ضرورت | 114 |
| | دل اور عقل کے درمیان کشمکش | 115 |
| | دل کی صلاحیتوں کی عدم بیداری کے المناک نتائج | 116 |
| | افراد اور قوموں کی زندگی پر دل کی سلامتی کے اثرات | 118 |
| | دولت کی محبت سے بچاؤ کی صورت | 120 |
| | اللہ کی محبت کا انسانی فطرت کا ناگزیر حصہ ہونا | 122 |
| | انانیت اور بڑے پن کی بیماری اور اس کے اثرات ونتائج | 123 |
| | جعلی تصوف۔ ظاہری تصوف اور حقیقی تصوف | 124 |
| | حقیقی اہل تصوف کی کچھ علامتیں | 125 |
| | تواضع اور عاجزی کے بغیر سلیقہ انسانیت کا ہاتھ نہ آنا | 126 |
| | باطنی علم اور اس کی تشریح | 127 |
| | معرفت نفس اور معرفت رب کے علم کی ضرورت اور اس کی اہمیت | 128 |
| | علمی برتری وعلمی حجابات اور اس کے نتائج | 129 |
| | دین کی سلف صالحین کی پیش کردہ ترتیب کی اہمیت | 130 |
| | علم کے نام پر مفادات کی جنگ سے بچنے کی صورت | 132 |

| | | |
|---|---|---|
| | مسلم نفسیات اور مغربی نفسیات (ایک نظر میں) | 133 |
| | مسلم نفسیات کے ماہروں کا طریقہ علاج | 134 |
| | جدیدیت سے مرعوبیت کی ایک دوسری صورت | 135 |
| | کامیاب زندگی کے لئے اپنی پاکیزہ تہذیب سے وابستہ ہونا ناگزیر ہے | 137 |
| | علمائے ربانیین کی صحبت کی ضرورت | 138 |
| | وجدان کی گہرائیوں میں ڈوبنے کا عمل اور اس کے اثرات | 139 |
| | قوموں کی زندگی میں برپا فساد کی تہہ میں کارفرما سبب کی نشاندہی | 140 |
| | اسلام مذہب ہی نہیں مکمل نظام زندگی ہے | 141 |
| | دل کے ساتھ عقل کی سلامتی کی اہمیت | 142 |
| | عادت کی حفاظت کا اہتمام ہونا ناگزیر ہے | 144 |
| | اسلامی تہذیب اور روحانیت کے بغیر ریگستان میں پانی کی تلاش میں مارا مارا پھرنا | 146 |
| | اعتراضات کے ساتھ روحانیت کا سفر ممکن نہیں | 148 |
| | اصلاح نفس کی مختلف صورتیں | 150 |
| | ریاست کی اصلاح کی بہتر سے بہتر صورت | 152 |
| | اولاد کی اصلاح کی فکرمندی | 154 |
| | انسانی شخصیت میں فساد کے جراثیم اور ذکر کے ذریعہ ان کے قلع قمع کی صورت | 155 |
| | وقت کا چیلنج۔ دردمند افراد کے غور و فکر کے لئے | 157 |
| | اللہ کی محبت کے فوائد و ثمرات ایک نظر میں | 159 |

# تعارف

زیر نظر کتاب معاشرتی اصلاح، باطنی اصلاح، دل، نفس، عقل اور روح کی ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت اور ان میں مطابقت پیدا کرنے کی صورت، حب مال، حب جاہ اور خود نمائی جیسی بیماریوں کے مہلک اثرات، اسلام کی سلف صالحین کی پیش کردہ تشریح اور اس کی ترتیب کی اہمیت، جدید دور کے چیلنج کی نوعیت، مولوی، معاشرہ اور جدیدیت، انسانی شخصیت پر عادت کے اثرات اور عادت بد سے نجات کے حصول کی صورت، خیالی قوت کی اہمیت، منفی خیالی قوت پر مثبت خیالی قوت کو غالب کرنے کی صورت، ذہنی دباؤ، فکری انتشار اور قلبی اضطراب سے بچاؤ کی تدابیر، باہمی تعلقات کو نبھانے اور خوشگوار بنانے کی صورت، شخصیت میں ٹھہراؤ اور توازن پیدا کرنے کی ضرورت اور اس کی حکمت عملی، معاشرہ میں محبت، رواداری اور برداشت پیدا ہونے کی صورت، غرض کہ اس طرح کے بہت سارے اہم اور سلگتے ہوئے مسائل ہیں، جن پر کتاب میں بحث کی گئی ہے، اس طرح یہ کتاب بالخصوص نوجوان نسل کی صحیح خطوط پر ذھنی تربیت کے اعتبار سے مؤثر حیثیت کی حامل ہو گئی ہے۔

آج جب کہ ہمارا معاشرہ نفسی مسائل، باہمی تعلقات کی خرابی، ایک دوسرے کو گرانے کی کاوشوں، نفسیاتی نوعیت کی بیماریوں، جھنجھلاہٹ، قلبی اضطراب، بے قراری، سنگ دلی اور قساوت قلبی کے اعتبار سے آگ کے دہانے پر کھڑا ہے۔

زیر نظر کتاب میں اس طرح کے سارے مسائل کے سلجھاؤ کے لئے بہتر سے بہتر تدابیر اور فطری نوعیت کا طریق علاج پیش کرنے کی کاوش کی گئی ہے۔

کتاب کی اہمیت کا یہ پہلو بھی اہم ہے کہ اس میں جدید افراد کی ذہنی، علمی اور فکری سطح کو پیش نظر رکھکر گفتگو کی گئی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ نافع بنائے اور اسے اپنے ہاں قبولیت کا شرف عطا فرمائے۔(آمین)

۲۸ مئی ۲۰۲۰ء

محمد موسیٰ بھٹو

# آپ نفسیاتی مسائل کا شکار تو نہیں

کیا آپ ذہنی دباؤ، فکری انتشار، نفسیاتی مسائل، اشتعال، جھنجھلاہٹ، عدم توازن، اور منفی نوعیت کے میلانات کا شکار ہیں؟ کیا آپ قلبی سکون، ذہنی طمانیت، ہر قسم کے حالات میں بہتر قوت فیصلہ اور روحانی حلاوت جیسی نعمتیں چاہتے ہیں، اگر ایسا ہے یعنی آپ منفی قوتوں سے نجات حاصل کرنے، روحانی پاکیزگی اور مثبت خیالات کے طلبگار ہیں تو اس کے لئے آپ کو فطری نوعیت کی باطنی صلاحیتوں کو بیدار کرنا پڑے گا، اور اندر میں غوطہ زنی سے کام لینا پڑے، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت کو سلیم بنایا ہے اور فطرت میں اپنے ساتھ والہانہ محبت کے جذبات رکھ دیئے ہیں، ان جذبات محبت کو بیدار کرکے، انہیں ارتقائی صورت دینے سے ہر قسم کے ذہنی اور نفسیاتی نوعیت کے مسائل سے نجات کی صورت پیدا ہوتی ہے اور مادی نوعیت کے پیدا کردہ سنگین مسائل کا احساسِ شدت ختم ہونے لگتا ہے۔

اس وقت جدید انسان کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس نے فطرت میں ودیعت شدہ صاف وشفاف علوم (جو محبوب حقیقی سے محبت ومعرفت اور اس کی اطاعت سے تعلق رکھتے ہیں)۔ ان کو دبا دیا ہے، اور فطری تقاضوں پر نفسی قوتوں کو غالب کر دیا ہے، اس کی وجہ سے ہی مادہ کے دیو نے شخصیت پر قابو پا لیا ہے اور مادی نوعیت کے نت نئے مسائل کو جنم دے کر شخصیت میں ہمہ گیر نوعیت کا فساد پیدا کیا ہے۔

مادیت پرستی کی قوتوں کے پیدا کردہ فساد سے زمین اور خشکی تر ہوگئی ہے، اور انسانیت کے لئے یہ زندگی جہنم سے پہلے جہنم کا منظر بن گئی ہے، ہم اگر مادیت پرستی اور نفس پرستی کی قوتوں کے پیدا کردہ فساد سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں فطرت میں موجود اللہ سے والہانہ محبت کے جذبات کو بیدار کرنا پڑے گا اور روحانی قوتوں کو نفسی قوت پر غالب کرنے کی راہ اختیار کرنا پڑے گی، اس کے علاوہ ہمہ گیر نوعیت کے فساد سے بچاؤ کی کوئی صورت موجود نہیں۔



# نوجوان نسل کا خوداعتمادی کا بحران

موجودہ دور میں مادیت کی عالمی لہر نے بالخصوص نوجوان نسل کے پاکیزہ خیالات واحساسات وجذبات کو زیر وزبر کر دیا ہے، جنسی جذبات کا ایک طوفان ہے، جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے، خواہشات نے ضروریات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا ہے، اس کے نتیجے کے طور پر جہاں معاشرے میں ٹکراؤ اور تصادم کی فضا پیدا ہوگئی ہے، خاندانوں اور گھروں میں ناچاقیاں بڑھ گئی ہیں، وہاں اضطراب، گھبراہٹ، پریشانی، ہیجان خیزی، جذبات میں اشتعال، مایوسی، زندگی سے بیزاری اور ایک دوسرے سے نفرت جیسے بہت سارے مسائل بھی پیدا ہوگئے ہیں۔ اس طرح ہماری زندگی میں تیزی سے زہر سرایت کرتا جارہا ہے۔

یہ سارا بحران اس لئے پیدا ہوا ہے کہ مادیت اور روحانیت کے درمیان توازن کا دامن تھامنے میں ہمیں ناکامی حاصل ہوئی ہے، اس موضوع کے سارے پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کے لئے آپ ہماری ویب سائیٹ ''بیداری ملت'' ملاحظہ فرمائیں۔

ہمیں نوجوان نسل سے محبت ہے، ان کے مسائل، مصائب اور پریشانیاں ہماری اپنی پریشانیاں ہیں، ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ بعض روحانی نوعیت کی مشقیں ایسی ہیں، جن کو اختیار کرنے سے ہم سارے بحرانوں سے نجات حاصل کرکے، ذہنی، قلبی اور روحانی تشفی، خوشی، حلاوت اور بے پناہ مسرت کی زندگی حاصل کر سکتے ہیں، اس کے لئے آپ کو صرف تھوڑا سا وقت دینا پڑے گا۔

# نوجوان نسل کے مسائل

## ومشکلات کی نوعیت

## اور اس کے اسباب پر ایک نظر

ہماری جدید نسلیں اپنی تہذیب سے ہمہ آہنگ تربیت نہ ہونے کی وجہ سے بہت سارے مسائل ومشکلات کا شکار ہیں۔ ان مسائل ومشکلات کو اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے (۱) طبیعت اور مزاج میں منفی اثرات کا غالب ہونا (۲) ذہنی دباؤ کا ہونا (۳) نفسیات میں بگاڑ کا پیدا ہونا (۴) بزرگوں کے آداب کا نہ ہونا اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر ان سے ترش روئی سے پیش آنا (۵)نرمی (جس میں خیر کے سارے اجزاء موجود ہیں) اس کے فقدان کا ہونا (۶) اپنی بات کو سلیقہ سے پیش کرنے کی صلاحیت سے محروم ہونا (۷) مادی حسن پر فدائیت کا ہونا (۸) اپنا زیادہ سے زیادہ وقت موبائل میں فیس بک وغیرہ پر گذارنا، (۹) دنیا کے حوالے سے بہت زیادہ حساس ہونا (۱۰) مزاج کے خلاف واقعات اور باتوں پر بے قابو ہوجانا (۱۱) دل کے خزانوں سے ناآشنا ہونا (۱۲) انسانی شخصیت میں روح کی فیصلہ کن اہمیت سے ناواقف ہونا، اس طرح روح کو اس کی اصل غذا دینے کی طرف متوجہ نہ ہونا (۱۳) پیٹ، جنس اور دنیا کی فکر کے علاوہ دوسرے افکار سے بے نیاز ہونا (۱۴) فطرت میں ودیعت شدہ پاکیزہ جذباتِ محبت سے ناآشنا ہونا (۱۵) مغرب کی مادی ترقی سے مرعوب ہونا، جب کہ ان کی اچھی چیزوں کو اپنانے سے طبعی مناسبت کا نہ ہونا (۱۶)حقیقی علم (جو معرفت نفس اور معرفت رب سے تعلق رکھتا ہے) اس کے حوالے سے بات سننے کے مزاج کا نہ ہونا (۱۷) حقیقی خوشی، مسرت اور حلاوت (جو دل اور روح سے تعلق رکھتی ہے) اس سے محروم ہونا (۱۸) مادیت اور مادی زندگی کو مسلط کرنے کی وجہ سے بے قراری کے انگاروں پر لیٹتے رہنا، (۱۹) دوستی کو نبھانے کی صلاحیت سے قاصر ہونا (۲۰) دوستی کے غلط ماحول کی وجہ سے اپنی شخصیت میں موجود خیر کی صلاحیتوں کو پامال کرنا وغیرہ وغیرہ۔

نوجوان نسل کا یہ بحران ایسا ہے جو ہماری ملت کے مستقبل کو تاریک بنانے اور غلامی کے بدترین دور کا باعث بن سکتا ہے، ملت کے دردمند افراد کو اس مسئلہ پر غوروفکر کرکے، اس کے اسباب کا تعین کرنا پڑے گا اور نوجوان نسل کو اس بحران کے نکالنے کے سلسلے میں اپنے حصہ کا



بھرپور کردار ادا کرنا پڑے گا۔

ہمارے نزدیک نوجوان نسل کو درپیش اس بحران میں جو اسباب کارفرما ہیں، ان میں سے چند اسباب یہ ہیں۔

(۱) نظام تعلیم میں اپنی تہذیب سے ہمہ آہنگ تربیت کے نظام کا بالکل نہ ہونا، دوسرے الفاظ میں بے مقصد نظام تعلیم کا ہونا۔

(۲) مادیت کی ہمہ گیر مسموم فضا کا ہونا، جو ہر وقت جنسی جذبات کو بڑھکانے اور مقصد سے عاری فکر کو فروغ دینے کا موجب ہے۔

(۳) عقل اور عقلیت کے غلبہ کی وجہ سے بزرگوں کے ادب وآداب واحترام کے خاتمہ کا ہونا۔

(۴) حقیقی تصوف واہل تصوف اور نوجوان نسل کے درمیان دوری کی دیوار کا ہونا۔

(۵) دل اور روح کو مطلوبہ غذا دینے کے ادراک وشعور سے بے بہرہ ہونا۔

(۶) مادیت پرستی میں استغراق کی وجہ سے فطرت سلیمہ کے اجزاء کا بڑی طرح تک مجروح ہونا۔

(۷) اپنے تہذیبی تسلسل، اقدار اور اپنی تاریخ سے ناآشنا ہونا۔

(۸) مغربی تہذیب سے نہ صرف مرعوب ہونا، بلکہ اس تہذیب سے ذہنی اور وجدانی طور پر ہمہ آہنگی محسوس کرنا وغیرہ وغیرہ۔

# بیداری ملت کے سلسلہ میں

## اہل تصوف کا کردار

بیداریٔ ملت کے سلسلے میں تصوف واہل تصوف شروع سے اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں، ہماری تاریخ میں سیاست کا رخ تو بدلتا رہا ہے، وقت کے بادشاہ اکثر حکمرانی کے نشہ میں چور رہے ہیں، لیکن ہماری پوری تاریخ میں اہل تصوف چٹائی پر بیٹھکر لوگوں کی تربیت، تزکیہ اور اصلاح کا کام کرتے رہے ہیں، اس طرح وہ معاشرے کو اخلاقی اور روحانی طور پر سنبھالتے رہے ہیں، چنانچہ مسلم معاشرہ کبھی بھی بہت بڑے بگاڑ سے دوچار نہیں ہوا۔ اس کا سبب حکمرانوں کا کردار یا ان کی پالیسیاں نہیں تھی، بلکہ اس کا سبب ان بوریہ نشینوں کا پاکیزہ کردار، ان کی خدمت انسانیت اور لوگوں کے نفس کی اصلاح میں توانائیاں صرف کرنا تھی۔

ہمارے معاشرے کے بگاڑ میں تیزی فرنگی اقوام کے غلبہ سے شروع ہوتی ہے کہ انہوں نے ہمارے نظام تعلیم اور ہمارے نظام قانون وغیرہ کو بدل کر انہیں اپنے نظریات سے ہمہ آہنگ کیا، جس سے عقل وعقلیت کے فتنہ نے جنم لیا اور معاشرے میں سرے سے اہل اللہ کے تزکیہ وتربیت اور اصلاح کے سلسلے میں ان کے کردار سے انکار کیا گیا اور یہ روش غالب ہوئی، پھر جدید نظریات اور مادی تہذیب کے غلبہ نے یہ حالت پیدا کردی کہ سرے سے فکر ونظر میں ہی تبدیلی پیدا ہوئی، پہلے یہ حالت تھی کہ معاشرے کے لاکھوں افراد اصلاح نفس کے سلسلے میں اہل اللہ سے رجوع ہوتے تھے، جس سے معاشرہ اخلاقی اور روحانی طور پر مستحکم ہوتا تھا، اب یہ حالت ہوگئی کہ بالخصوص سارے جدید طبقات خودسری کا شکار ہوکر، اہل اللہ سے بے نیاز ہوگئے، جس سے معاشرے میں دنیا کی دوڑ شروع ہوگئی اور عزت کا معیار دولت قرار پائی۔

مسلم معاشرے کی یہ تبدیلی اتنی بڑی تبدیلی ہے کہ دھائی تین سو سال پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔



اب جہاں فکری طور پر سیکولر نظریات کا غلبہ ہوا وہاں عملی طور پر اخلاقی اور روحانی بحران بھی پیدا ہوا اور معاشرہ میں نفسیاتی بیماریوں کی وبا پھوٹ پڑی۔

ان حالات میں اہل اللہ کردار ادا کریں تو کیسے کریں، اس لئے کہ جب افراد معاشرہ اصلاح اور تزکیہ کی ضرورت ہی محسوس نہ کریں اور وہ اہل اللہ کی طرف رجوع ہونے کے لئے ہی تیار نہ ہوں تو معاشرہ کے سدھارے کے راستے مسدود ہوجاتے ہیں۔

# حقیقی اہل اللہ کی صحبت کے فوائد و ثمرات، ایک نظر میں

اہل اللہ کی صحبت کے جو فوائد اور ثمرات ظاہر ہوتے ہیں، انہیں مختصراً اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ذکر میں ذوق وشوق کا ہونا (۲) ٹوٹا ہوا دل ہونا یعنی شکستہ دل کی حالت کا ہونا (۳) دنیا سے دل کا سرد ہو جانا (۴) اپنے کچھ بھی نہ ہونے کے احساس کا غالب ہونا (۵) دنیا کی ڈور میں شریک ہونے سے انکار کی نفسیات کا ہونا (۶) علم، وقت اور مال میں برکت کا ہونا (۷) وقت کے ایک ایک لمحہ کے صحیح استعمال کے احساس کا غالب ہونا (۸) نرمی اور محبت کے اوصاف کا ہونا (۹) ہر طرح کے حالات میں صبر وشکر کا ہونا (۱۰) مزاج کے خلاف باتوں کو برداشت کرنے کے حوصلہ کا ہونا (۱۱) اللہ سے مانگنے کی نفسیات کا غالب ہونا (۱۲) عاجزی، فنائیت اور نفیٔ ذات کے احساس کا ہونا (۱۳) اللہ کے جلالی وجمالی صفات کے عکس کی حالت میں رہنے کی وجہ سے اللہ سے اپنے فضل خاص کی بھیک مانگتے رہنا (۱۴) آخرت کے دھیان کا غالب ہونا (۱۵) دنیا میں زیادہ مصروفیت یا زیادہ گفتگو کی وجہ سے کیفیات کا سلب ہونا (۱۶) قلبی سکون کی حالت کا ہونا (۱۷) خود احتسابی کی حالت میں رہنا (۱۸) دل کے مفتی کا بیدار اور طاقتور ہونا (۱۹) اسلامی شریعت کے منافی حرکت سے دل کے نظام کا درہم برہم ہونا (۲۰) نفسی قوتوں کو مطیع اور مفتوح کرنے کے سلسلے میں رفتہ رفتہ پیش قدمی کا ہونا (۲۱) دل اور روح کی خصوصیات اور ان کی نزاکتوں کے فہم کا ہونا (۲۲) محبوب حقیقی کی راہ پر مسلسل آگے بڑھتے رہنا (۲۳) باطن کی وسیع دنیا کا سیر وسفر کرنا (۲۴) سیرت وکردار میں بتدریج بہتری کا ہونا (۲۵) ناسازگار حالت کے وقت اللہ سے خوب مانگتے رہنا (۲۶) اللہ کی جلالی صفات کو برداشت کرنے کے حوصلہ کا ہونا (۲۷) پرانی فاسد عادات کی جگہ نئی بہتر عادتوں کا پیدا ہونا (۲۸) سب کی بھلائی اور خیر خواہی چاہنا (۲۹) مسلمانوں کی حالت زار پر کڑھتے رہنا اور فکر مند رہنا



(۳۰) اپنی شخصیت کی چاہت سے دستبردار ہونا (۳۱) نفسی قوتوں کی شہ زوری کا شکوہ اللہ محبوب سے کرنا (۳۲) محبوب کے فراق کے غم اور وصال کے لئے مجاہدوں سے مسلسل کام لیتے رہنا اور تھکنے کا نام نہ لینا (۳۳) دوسرے سارے افکار پر محبوب کی رضاجوئی کی فکر کا غالب ہونا (۳۴) زمانہ کے تھپیروں سے زیر وزبر نہ ہونا (۳۵) ابتلا وآمائش کے بے شمار مراحل سے گزار کر طالب کا نفس مطمئنہ کے مقام پر فائز ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ ایسے اوصاف ہیں، جس میں عبدیت اور سلیقہ انسانیت کی ساری چیزیں آجاتی ہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ افراد جنہیں مادیت اور نفس پرستی کے حالات میں حقیقی اہل اللہ نصیب ہو جائے اور ان کی صحبت حاصل ہو جائے۔

# سچی روحانیت کی طلب کے

## ختم ہو جانے کا المیہ

موجودہ دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ سچی روحانیت کی طلب ختم ہو گئی ہے، اگر تھوڑی سی طلب پیدا بھی ہوتی ہے تو یہ اشکال گھیر لیتا ہے کہ حقیقی روحانی استاد تک رسائی کیسے ہو سکتی ہے اور اسے کہاں تلاش کیا جائے۔

یہ دراصل مادیت پرستی کے ہمہ گیر اثرات ہیں، جس نے ہمارا گھیراؤ کر کے ہمیں سچی روحانیت سے دور کر دیا ہے۔ حالانکہ روحانیت سے دوری کی وجہ سے ہماری زندگی ان گنت مسائل و مشکلات سے دوچار ہو گئی ہے، زندگی تلخیوں، دکھوں اور غموں سے بھر گئی ہے، بے قراری کے انگاروں پر لوٹنا تو گوارا ہے لیکن سچی روحانیت کی طرف آنے کے لئے اپنے اندر طلب پیدا نہیں کرنی ہے۔

یقیناً اس وقت درویش منش روحانی استادوں کا فقدان پیدا ہو گیا ہے اور جو موجود ہیں، وہ پس منظر میں چلے گئے ہیں، سبب یہ ہے کہ مارکیٹ میں جن چیزوں کی طلب اور ضرورت نہیں ہوتی، وہ چیزیں مارکیٹ سے غائب ہو جاتی ہیں، اگرچہ وہ موجود ہوتی ہیں، لیکن تلاش بسیار کے بعد ملتی ہیں۔

کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جو طلب کے نتیجہ میں نہ ملتی ہو، آپ اپنے اندر روحانیت کی سچی طلب پیدا کریں تو آپ دیکھیں گے کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ روحانی استاد کو آپ اپنے سامنے موجود پائیں گے، اس طرح آپ رفتہ رفتہ روحانیت کے ایسے خزینہ سے بہرہ ور ہوں گے کہ زندگی بھر کے سارے دکھ اور غم کافور ہو جائیں گے۔



# ہر شخص کے نفس کا فرعون

## اور قارون بننا

اس وقت ہمارا ملک ہی نہیں، بلکہ پوری دنیا ہولناک بحران سے دوچار ہے، یہ بحران دراصل نفسی قوتوں کا پیدا کردہ بحران ہے، عام طور پر ہر شخص کا نفس فرعون اور قارون بننا چاہتا ہے، مولانا رومی نے کہا ہے کہ ہر شخص فرعون بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، مگر اقتدار وسائل اور اختیارات نہ ہونے کی وجہ سے فرعونیت کا مظاہرہ کرنے سے قاصر ہے۔

ہر شخص اپنی برتری اور فوقیت چاہتا ہے، ہر شخص دولت کے انبار چاہتا ہے، ہر شخص دوسروں خاص طور پر اپنے عزیز و اقارب کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھکر حسد اور جلن کا شکار ہوتا ہے، ہر شخص عزت و تکریم کو اپنے لئے خاص کرنا چاہتا ہے، ہر شخص مادی آسائش و راحت کے سامان کے ڈھیر چاہتا ہے۔ ہر شخص دوسروں کو ان کی حالت زار پر چھوڑ کر خود بڑے مقام پر فائز ہونا چاہتا ہے۔

اس طرح کے جذبات واحساسات اور سرگرمیوں کی موجودگی میں انسانیت جتنے بھی بحرانوں سے دوچار ہو، کم ہے، مادی نوعیت کی اخلاقی تحریکوں یا ہاتھوں کی تبدیلی سے انسانیت اس ہولناک بحران سے نجات حاصل نہیں کر سکتی، اس کے لئے ہر انسان کی عزت و تکریم کی ضرورت ہے، اس کے لئے پاکیزہ ثقافتی تحریک کی ضرورت ہے، جو افراد کو اندر سے بدلنے اور باطن میں انقلاب پیدا کرنے کا باعث ہو، نفس کی دنیا میں انقلاب برپا کر کے، اسے پاکیزہ بنائے بغیر کوئی بھی تحریک اور کوئی بھی نظام انسانوں کی دنیا میں حقیقی تبدیلی برپا کر کے، انسانیت کو ہولناک بحران سے نجات نہیں دلا سکتا، اس پاکیزہ ثقافتی تبدیلی کی تحریک کے بغیر انسانیت بحران سے دوچار رہے گی اور مایوسی اور خودکشی کے رجحانات بڑھتے رہیں گے۔

اسلام نے پہلے بھی انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچایا تھا، اب بھی اسلام کی بنیاد پر ثقافتی تحریک سے ہی انسانیت کی نجات وابستہ ہے۔

# جدید دور میں تین

## نئے بتوں کی پوجا کا ہونا

بعض صاحبان دل کا کہنا ہے کہ موجودہ دور میں انسان نے تین بت تراش لئے ہیں، پیٹ، جنس اور مادی آسائش وراحت کا زیادہ سے زیادہ سامان اور جدید انسان کی ساری جدوجہد ان معبودوں کے گرد گھوم رہی ہے اور ان کی پرستش میں صرف ہو رہی ہے۔

چونکہ انسان نے روح کے وجود اور اس کی ضروریات سے انکار کی روش اختیار کی ہے، اس لئے جو جدوجہد روحانیت کی ارتقا کے لئے صرف ہونی چاہئے تھی، وہ جدوجہد بھی ان معبودوں کی پوجا میں صرف ہو رہی ہے، چونکہ یہ معبود خالص مادی نوعیت کے ہیں، اس لئے انسانی شخصیت یعنی روح کی حالت انگاروں پر لیٹنے کے مترادف ہو گئی ہے۔

اگرچہ یہ تجزیہ کچھ سخت لگتا ہے، لیکن یہ کوئی زیادہ غلط بھی نہیں ہے، ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ساری سرگرمیوں کا مرکز و محور یہی چیزیں بن گئی ہیں، اس طرح ہماری زندگی پاکیزہ نصب العین سے خالی ہو گئی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ ہمیں مادہ کی بے رحم طاقتوں کے حوالے کر دیا گیا ہے، مادہ کی بے رحم طاقتوں کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ سکون، سکینت اور طمانیت سلب کر دیتی ہیں، اور فرد کا باطن ویرانی کا منظر پیش کر رہا ہوتا ہے اور وہ سکون اور حقیقی راحت کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے اور نفسیاتی ڈاکٹروں اور نفسیاتی ماہروں کے چکر لگاتا رہتا ہے کہ شاید ان کی کوئی دوا ہمیں سکون سے بہرہ ور کر دے، لیکن سکون مادی نوعیت کی دواؤں اور مادی نوعیت کی مشقوں سے کہاں مل سکتا ہے، حقیقی سکون تو دل اور روح کی دنیا میں ڈوبتے رہنے کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوتا ہے، جب تک ہم پیٹ، جنس اور مادی راحت کے سامان کی پرستش سے دستبردار نہیں ہوں گے، تب تک ہم اضطراب اور بے قراری کے انگاروں سے بچ سکیں، ممکن نہیں، جدید نسلوں کو اس نکتہ کو سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔



# سچی روحانیت سے خوشی کے لازوال

## احساسات کیوں حاصل ہوتے ہیں

### سوال کا جواب

یہ سوال اہم ہے کہ آخر تصوف، روحانیت اور ذکر و فکر میں وہ کیا چیز ہے، جس کی وجہ سے ہر طرح کے دکھوں کا مداوا ہو جاتا ہے اور فرد وافراد سکون وسکینت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں، دراصل انسان کی تخلیق اس طرح ہوئی ہے کہ اس میں نفسی اور روحانی قوتیں بیک وقت کام کرتی ہیں، آپ اگر روحانیت کو نظر انداز کر کے، نفسی قوتوں کو طاقتور بنائیں گے تو اس سے ظلمات، تاریکی اور شیطانی قوتیں غالب آجائیں گی، جس سے زندگی میں ہر طرح کا فساد برپا ہو گا، لیکن اگر آپ نفسی قوتوں پر ذکر و فکر اور گہری عبادت کے ذریعہ روحانی قوتوں کو غالب کریں گے تو اس سے دل وروح مادہ سے بلند ہو کر، انوار الٰہی اخذ کرنے کی صلاحیتوں کا حامل ہو جاتا ہے، جس سے دل وروح خوشی کے لازوال احساسات سے سرشار ہو جاتا ہے اور مادی نوعیت کی مشکلات کے باوجود ان کی خوشی و مسرت میں کمی واقع نہیں ہوتی۔

نفسی قوتیں اور روحانی قوتیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہیں، نفسی قوتوں کو تقویت دینے سے روحانی قوتیں کمزور ہوتی ہیں اور روحانی قوتوں کو تقویت دینے سے نفس کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔

خوشی اور لازوال مسرت دل اور روح کا عمل ہے، دل اور روح خوشی و مسرت کے ان احساسات کا ایک حصہ عقل، نفسیات اور پوری شخصیت کی طرف منتقل کرتے ہیں، جس سے انسانی شخصیت حالت وجد میں آنے لگتی ہے۔

# مراقبہ کا

## اسلامی تہذیب کا اہم حصہ ہونا

ہمارا مراقبہ اسلامی تہذیب کا اہم حصہ ہے اور وہ دل اور روح کی متاع عظیم ہے، یہ مراقبہ قرآن وسنت سے ماخوذ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں یہی مراقبہ فرماتے تھے، قرآن میں ہے **ولاتطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا** (الکھف آیت ۲۸) (اس شخص کی بات نہ مان، جس کا دل ہمارے ذکر سے غافل ہے) دوسری جگہ ہے **وذكر اسم ربك وتبتل اليه تبتيلا** (المزمل آیت ۸) (اپنے رب کا ذکر کیجئے سب سے منقطع ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ) ایک اور آیت ہے، **وذكر ربك فى نفسك تضرى وخيفة ودون الجهر من القول بالغدو والاصال ولتكن من الغافلين** (اعراف آیت ۲۰۵) ( اپنے رب کا ذکر کرو اپنے اندر میں عاجزی سے اور خفیہ طور پر، ہلکے آواز سے صبح اور شام اور غافلوں میں شمار مت ہو)۔

ایک حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں کائنات کی کسی چیز میں نہیں سما سکتا، سوائے بندہ مومن کے دل میں۔ دوسری حدیث شریف میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قلبی ذکر جہری ذکر سے ستر گناہ زیادہ افضل ہے، تیسری حدیث شریف ہے کہ قیامت قائم نہ ہو گی، جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہے، ایک حدیث شریف میں اللہ کے رسول نے ایک صحابی سے فرمایا بیٹے، اللہ کا دھیان جماؤ گے تو اللہ کو اپنے سامنے موجود پاؤ گے۔

اللہ کے اسم ذات کا ذکر دراصل ہمارے دل اور روح کی ایسی ناگزیر ضرورت ہے کہ اس کے بغیر دل اور ورح کا سارا نظام معطل ہو جاتا ہے اور پوری انسانی شخصیت تلاطم کا شکار ہو جاتی ہے۔



# مادی مراقبہ اور اسلامی طریقۂ مراقبہ،

## ایک موازنہ

مادی نوعیت کا مراقبہ یا مشرکانہ عقائد کے حامل افراد کا مراقبہ قابل ذکر اہمیت کا حامل نہیں، اس سے صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ منتشر خیالی قوت پر کسی حد تک قابو پایہ جا سکتا ہے، جب کہ اسلامی طریقہ مراقبہ میں اللہ کے اسم ذات پر توجہ مرکوز ہونے کی وجہ سے اللہ کے انوار حسن کی شعاؤں سے دل اور روح متمتع ہوتے رہتے ہیں، ذہن کو بھی ان شعاؤں کا کچھ حصہ ملتا ہے، جس سے ذہن کو نئی توانائی حاصل ہوتی ہے اور وہ پاکیزہ خیالات کا حامل ہونے لگتا ہے، اللہ کے اسم ذات کا قلبی ذکر جسے اصطلاح میں مراقبہ کہا جاتا ہے، وہ اتنے غیر معمولی فوائد کا حامل ہے کہ جسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

انسان جو نام ہے، احساس کا، جب احساس خراب اور فاسد ہو جاتا ہے تو زندگی بے مزہ ہی نہیں، بلکہ وبال محسوس ہونے لگتی ہے، اسم ذات کا مراقبہ احساس کو پاکیزہ کر کے، فرد کو زندگی کے حقیقی لطف سے آشنا کرتا ہے، اس سے زندگی کی اصل قدر و قیمت کا تعین ہوتا ہے۔

مراقبہ ایسی نعمت ہے کہ جب بھی پریشانی لاحق ہو اور زندگی میں کتنے ہی بڑے مسائل اور بحرانوں سے واسطہ پڑے، فرد اندر میں غوطہ زنی کر کے، اللہ کے انوار حسن سے بہرہ ور ہو تو فرد ہر طرح کے بحرانوں سے چھٹکارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گا، اس طرح روزانہ مراقبہ کرتے رہنے سے وہ نئی توانائی اور حسن کے نئے احساسات کا حامل ہوتا جائے گا، جب کہ مادی نوعیت کا مراقبہ یا مشرکانہ عقائد کے حامل افراد کے مراقبہ میں اس طرح کی کوئی چیز موجود نہیں ہوتی، اس سلسلہ میں یہاں ایک اسکالر ڈاکٹر طاہر رضا نجاری صاحب کے مضمون کا حوالہ ملاحظہ ہو۔

''دراصل مغربی دنیا جن کی قلبی بے چارگی اور پسماندگی کے سبب ان کی زندگیاں ویران اور بنجر ہو چکی ہیں اور مذہب کو اپنی زندگی سے نکال کر، اپنی زندگی کا سفر الہامی عقائد کی روشنی میں کرنے کی بجائے، مفسد عقائد اور مخصوص عبادات جن میں زیادہ تر گیان، دھیان اور مراقبات Meditations جیسی چیزوں کو اپنائے ہوئے ہیں، اور ان کے ذریعے جب ان کی قوت متخیلہ Will Power ذرا مضبوط ہوتی ہے، تو وہ انہیں دنیاوی مقاصد اور سفلی عزائم ومفادات کے لیے استعمال کرنے کے درپئے ہو جاتے ہیں، یہ شیطانی راستے انہیں از خود ذہنی مریض بنا دیتے ہیں، اور حال ہی میں ایک تحقیق کے مطابق جن طبقات میں خودکشی کے رجحانات بڑھ رہے ہیں، ان میں مغرب کا یہ نام نہاد ''روحانیات'' کا طبقہ بھی شامل ہے، جو اپنی فریسٹریشن کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی زندگی کا چراغ گل کر دیتا ہے۔(روزنامہ ۹۲نیوز ۹دسمبر ۲۰۱۹)



# مراقبہ کیسے ہو؟

اللہ کے اسم ذات کا ذکر جسے اصطلاح میں مراقبہ کہتے ہیں، وہ دراصل اپنی ہی شخصیت کی دریافت اور اپنے رفیق اعلیٰ کی یافت کا ذریعہ ہے، انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں دل اور روح کی صورت میں ایسی جوہری قوتیں رکھ دی گئی ہیں، جو دوسری مخلوق میں موجود نہیں ہیں، دل اور روح کی اللہ محبوب کے لئے وارفتگی اور فدائیت قابل دید ہے، دل کو اللہ نے اپنے نام پر بنایا ہے، دل کی تصویر کو غور سے دیکھا جائے تو اس پر ڈزائین سے اللہ لکھا ہوا ہے، اس لئے ہر فرد کے دل کی غذا اللہ اللہ کرنا ہے، اسے یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ اسے کیا کرنا ہے، لیکن چونکہ ہم نے مادیت اور نفس کے زیر اثر عرصہ تک اسے اصل خوراک سے محروم رکھا ہے، اس لئے دل اپنی اصل غذا سے غیر مانوس ہو گیا ہے، اب دل کو مراقبہ کے لئے مانوس کرنے کے لئے مجاہدوں سے کام لینا ہو گا اور دماغ کو دل کی طرف متوجہ کر کے، یہ خیال جمانا ہو گا کہ دل کی دھڑکنوں میں اللہ اللہ ہو رہا ہے، یہ خیال بھی جمایا جا سکتا ہے کہ میرے دل پر اللہ کے انوار کا نزول ہو رہا ہے، چند مہینوں تک روزانہ ایسا کرتے رہنے کے نتیجہ میں دل اپنی غذا سے اس طرح مانوس ہو جائے گا کہ مراقبہ اس کی محبوب ترین غذا بن جائے گا اور اسے سکون وسکینت اور خوشی کی ایسی نعمت عظمیٰ حاصل ہو گی کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مراقبہ دراصل متوجہ الی اللہ ہونے کا سب سے مؤثر ترین ذریعہ ہے، اس کے لئے مشقوں کے ذریعہ مراقبہ کی عادت اور اس کے ملکہ کو مستحکم کرنا ہے، مراقبہ سے جہاں دنیا بھر کے دکھوں اور غموں کا مداوا ہوتا ہے، وہاں مراقبہ فرد کے لئے اسلامی شریعت کو بھی محبوب تر بنانے کا کردار ادا کرتا ہے۔

# مراقبہ کے لئے

## بعض احتیاطی تدابیر

مراقبہ کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ صحیح اسلامی عقائد ہوں، توحید رسالت اور آخرت کے عقائد بنیاد ہے، اس کے بغیر مراقبہ کی حیثیت مادی نوعیت کی ہوگی، مادی نوعیت کے مراقبہ سے فوائد سے زیادہ نقصانات کا احتمال ہے دوسری شرط یہ ہے کہ مراقبہ درویش منش اور دولت ودنیا سے بے نیاز روحانی استاد کی سرکردگی میں ہو اور اس کی مشاورت سے ہو، اپنے طور پر مراقبہ کرنے سے لاشعور میں موجود قوتوں سے ٹکراؤ ہوگا، جس سے چند دنوں کے بعد مراقبہ باقی نہ رہ سکے گا۔

مراقبہ کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ مراقبہ میں استقامت کے لئے روحانی استاد سے مستقل رابطہ ہو، یہ رابطہ صحبت کے ذریعہ ہو یا خط وکتابت اور موبائل کے ذریعہ، اس رابطہ کے ذریعہ مراقبہ کے ذوق وشوق میں اضافہ ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ مادی دنیا میں بہت زیادہ الجھنے سے بچنا ہوگا، اس لئے کہ آپ لاشعور میں جو چیزیں ڈالیں گے، شعور سے وہی چیزیں ظاہر ہوں گی اور انہی چیزوں کا غلبہ ہوگا۔

ابتدا میں مراقبہ دس پندرہ منٹ سے شروع ہو، آہستہ آہستہ اس میں اضافہ ہو۔

مراقبہ روزانہ بنیادوں پر شروع ہو، اس میں ناغہ نہ ہو، اس لئے کہ دل اور روح کو جس دن اسم ذات کے ذکر کی غذا نہ ملے گی، اس دن وہ اذیت سے دوچار ہوں گے، اس دن ذہنی دباؤ سے بچنا مشکل ہوگا۔



# روحانی استاد کی ضرورت

اللہ کی محبت، ذکر وفکر اور سلوک کی دنیا میں روحانی استاد کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، جس طرح دنیا کے سارے علوم وفنون میں استاد کا سہارا لینا پڑتا ہے، اسی طرح باطن کی گہرائیوں میں ڈوب کر اندر سے موتی وجواہر لانے یعنی سیرت وکردار کی پاکیزگی کے حصول کی خاطر روحانی استاد کی صحبت اور اس کی معیت ضروری ہے۔

اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ باطن میں غوطہ زنی کے عمل کے دوران فرد کو باطن میں موجود مگر مچھوں اور درندوں سے واسطہ پڑتا ہے، ان درندوں کے حملوں سے فرد میں خوف زدگی کی حالت پیدا ہوتی ہے، نیز سکون وطمانیت اور بے پناہ حلاوت بھی حاصل ہوتی ہے، بعض اوقات طالب کو کشف بھی حاصل ہوتا ہے۔

ان سارے معاملات میں طالب کو صحیح لائین دینا اور ان چیزوں کی صحیح نوعیت سے آگاہ کرنا، اس طرح کے حالات وواقعات کی توجیہ کرکے، اسے مطمئن کرنا اور ہر طرح کے حالات میں اس کی حوصلہ افزائی کرنا، یہ روحانی استاد کا کام ہوتا ہے، چونکہ راہ محبت میں کافی وقت چلنا پڑتا ہے اور نفس کو نفس مطمئنہ تک پہنچانا ہوتا ہے، اس لئے روحانی استاد کے بغیر یہ سفر از حد دشوار گزار ہوتا ہے۔

صحیح روحانی استاد وہ ہوتا ہے، جو درویش منش اور خدا مست ہو، دنیا کے مال ومتاع اور زیب وزینت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا، وہ دل کی دنیا سے دنیا کی محبت کو نکال چکا ہوتا ہے، اس کی زندگی فقر محمدی کے اجزا سے عبارت ہوتی ہے، وہ نفس پرستی کی قوتوں کی ساری گھاٹیوں سے گزر چکا ہوتا ہے، اس لئے وہ طالب کی بہتر طور پر رہنمائی کرتا ہے، وہ تصوف کو دنیاوی مقاصد کے لئے ہرگز استعمال نہیں کرتا۔

اس طرح کا روحانی استاد اگر مل جائے تو اس کی صحبت اختیار کرکے، نفس کی سرکشی کے زور کو توڑنے کی راہ اختیار کرنا ضروری ہے، بلکہ اس طرح کا روحانی استاد طالب کے لئے سعادت دارین کا ذریعہ ہے۔

# دل اور عقل کے درمیان کشمکش

انسانی شخصیت میں دل اور عقل یہ دونوں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں، دل کے دو کام ہیں، ایک پورے جسمانی نظام کو خون کی فراہمی، دوسرا اللہ کے انوار حسن کو اخذ کرنے کا کام، جب کہ عقل کا کام مادی معاملات میں غور و فکر کر کے راہیں نکالنے اور تلاش و تحقیق کرنا ہے، ساری مادی ترقی یا مادی نوعیت کے سارے نظریات عقل پر غور و فکر ہی کا نتیجہ اور حاصل ہیں، اسلام خیر و شر کا جو تصور پیش کرتا ہے، اس میں عقل سے زیادہ دل ہی کو فیصلہ کن اہمیت دیتا ہے، عقل عام طور پر نفس کے تابع ہوتی ہے، نفس اپنی خواہشات کے لئے عقل ہی کو استعمال کرتا ہے، اس طرح عقل عام طور پر نفس کی یرغمال بن کر زندگی بھر اس کے آلہ کار ہونے کا کردار ادا کرتی ہے، دنیا میں شر کی حامل جو بھی شخصیتیں یا قومیں سامنے آتی رہی ہیں، جن کے ذکر سے قرآن بھرا ہوا ہے، یہ ساری شخصیتیں اور قومیں دراصل نفس کے یرغمال شدہ عقل ہی کی پیداوار اور اس کی تابع ہیں، ان کی عقل نے ہی انہیں گمراہ کر کے، نفس اور شیطان کی راہ پر گامزن کیا۔

عقل کے استعمال سے مادی ترقی، سائنسی و ٹیکنالوجی ترقی تو ہو سکتی ہے، اس طرح انسان مادی طور پر ترقی یافتہ ہو سکتا ہے، لیکن نفس کی یرغمال شدہ عقل خواہشات سے پاک مہذب انسان اور اللہ اور اس کے بندوں سے مخلصانہ محبت کرنے والا انسان جنم دینے میں کامیاب ہو سکے ممکن نہیں، عقلِ محض پاکیزہ نظریات اور پاکیزہ احساسات کو فروغ دینے میں بھی کوئی کردار ادا نہیں کر سکتی، سبب یہ ہے کہ عقل مادہ کی پیداوار ہے، مادہ کی پیدا کردہ عقل میں یہ صلاحیت موجود نہیں ہے کہ وہ خیر و شر کی جنگ میں خیر کی حقیقی نوعیت کو سمجھ سکے اور خیر کا ساتھ دینے اور خیر کے فروغ میں کوئی کردار ادا کر سکے، البتہ جب عقل غیبی حقائق پر ایمان کا حامل ہوتی ہے اور اسے دل کی سلامتی سے کچھ اجزاء حاصل ہوتے ہیں تو ایسی عقل نفس کی یرغمالی سے آزاد ہو کر حق و باطل کی کشمکش کی نوعیت کو سمجھ کر حق کا ساتھ دینے میں اپنے حصہ کا کردار ادا کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔



# دل کی صلاحیتوں کی عدم بیداری کے

## المناک نتائج

جدیدیت انسان کو عالمی سطح سے لے کر محلہ کی سطح تک سکون، حقیقی راحت اور باہمی محبت سے ہمہ آہنگ زندگی فراہم کرنے میں جو ناکامی ہوئی ہے کہ انسان کی زندگی زہر سے عبارت ہو گئی ہے، اس کا ایک اہم سبب دل کی صلاحیتوں کو سمجھکر، اسے بیدار کرنے سے انکار کی روش ہے۔

دل جوہری چیز ہے، مادی چیزوں سے اس کی تسکین ہرگز نہیں ہو سکتی، اس کے جذباتِ حسن کی تسکین محبوب حقیقی سے والہانہ محبت کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے، دل ہر وقت سکون اور حقیقی راحت کا طالب ہے، اسے یہ سکون و راحت گہری عبادت اور اللہ کے ذاتی اور صفاتی ناموں کے ذکر کے تکرار سے ہی ہو سکتی ہے اور سیرت و کردار میں پاکیزگی اور انسانیت سے بے غرضانہ محبت ذکر کے تکرار سے ہی ہو سکتی ہے۔

قرآن دل کا بار بار ذکر کرتا ہے، **کلا بل ران علیٰ قلوبھم بما کانوا یکسبون** (المطففین) (ہرگز نہیں، بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے) **ان فی ذالك لذکریٰ لمن کان له قلب** (ق آیت ۳۷) (اس قرآن میں نصیحت ہے اس فرد کے لئے جس کا دل (زندہ) ہے) **فانھا لاتعمی الابصار ولکن تعمل قلوب التی فی الصدور** (الحج آیت ۴۶) (پس آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ سینے میں جو دل ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں) **فی قلوبھم مرض** (ان کے دلوں میں مرض ہے)۔

حقیقت یہ ہے کہ جب دل کا رشتہ محبوب حقیقی سے کٹ جاتا ہے، یا دل کی صلاحیتوں کی بیداری سے غفلت برتی جاتی ہے تو دل ویران ہو جاتا ہے اور اس پر نفس کا دیو غالب ہو جاتا ہے اور دل پر قرآن میں موجود نور (جسے ربانی علوم کا القا بھی کہا جا سکتا ہے) اس کا القا رک جاتا ہے اور دل ظلمات سے بھر جاتا ہے، ظلمات کا حامل دل خیر و شر کے درمیان امتیاز کرنے کی صلاحیت سے قاصر ہو جاتا ہے۔

بد قسمتی کی بات ہے کہ اس وقت ہمارے سارے علوم وفنون میں دل کی صلاحیتوں کی بیداری کی بجائے اس کی صلاحیتوں کی نفی کی روش غالب ہے، اس روش کا لازمی نتیجہ مادی قوتوں، نفسی اور شیطانی قوتوں کے غلبہ کی صورت میں ہی ظاہر ہو سکتا ہے، جو ہو رہا ہے اور افراد میں قساوت قلبی، سنگ دلی اور قلبی سیاہی بڑھتی جا رہی ہے، اس پر سوائے خون کے آنسو بہانے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔



# افراد اور قوموں کی زندگی پر
## دل کی سلامتی کے اثرات

دل کی صلاحیتوں کو سمجھنے کی سخت ضرورت ہے، اس کے بغیر ہم پر حقیقی علوم اور معارف کے فہم کے دروازے بند رہیں گے، دل کے نابینا انسانوں سے مثبت اور پاکیزہ سوچ اور عمل صالحہ کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑہ ہے، وہ اگر صحیح ہو جائے تو ساری انسانی زندگی صحیح ہو جائے، وہ اگر غلط ہو جائے تو ساری زندگی غلط ہو جائے گی، آپ نے فرمایا کہ گوشت کا یہ ٹکڑہ دل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ ہر معاملہ میں اندر کے مفتی (یعنی دل) سے فتویٰ پوچھا کرو، وہ جو فتویٰ دے اسے صحیح سمجھا کرو، لوگ تمہارے عمل کے بارے میں چاہے کتنی اچھی رائے دیں ان کی رائے کو صحیح نہ سمجھا کرو۔

ایک تیسری حدیث شریف ہے کہ ہر وہ عمل جس پر دل خوش ہو وہ نیکی ہے، ہر وہ عمل جس پر دل کھٹکے وہ بُرائی ہے۔

ان احادیث سے دل کی فیصلہ کن اہمیت واضح ہوئی کہ دل کی صحت وسلامتی سے پاکیزہ زندگی عطا ہوتی ہے اور گناہوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

آئن اسٹائن نے کہا ہے کہ سائنسی علوم سب سے پہلے وجدان پر منکشف ہوتے ہیں، اس کے بعد ان پر تلاش وتحقیق کا کام ہوتا ہے۔

امریکہ کے ایک سائنسدان نے دل کے موضوع پر بیس پچیس سال تک تحقیق کی، اس کا کہنا ہے کہ وجدان میں عقل جیسے چھوٹے چھوٹے سینکڑوں عقل (معلومات کے مراکز) موجود ہیں۔

یہ دل کے بارے میں دو مغربی سائنسدانوں کی ذاتی تحقیق ہے، جب کہ اہل مغرب نے اجتماعی طور پر اپنے علوم وفنون سے دل کی معلومات اور معارف پر مشتمل مرکز کی حیثیت کی سرے سے نفی کر کے، اپنے علوم کو مادی عقل کا مرہون منت قرار دیا ہے، یقیناً مادی عقل کی بھی ایک اہمیت ہے لیکن حقائق، معارف، معلومات اور عمل صالح کا اصل مرکز دل ہی ہے، دل کی سلامتی سے جب

عقل کو سلامتی کے کچھ اجزاء مل جاتے ہیں تو عقل بھی دل کے زیر اثر سلامتی کے خیالات اور سوچ کی حامل ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دینی علوم ہوں یا عقل کے ذریعہ حاصل ہونے والے علوم، وہ انسانیت کے لئے باعث خیر و برکت اسی وقت ثابت ہو سکتے ہیں، جب دل کی پاکیزہ صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور وہ قلب سلیم کا حامل ہو جاتا ہے۔

اس نکتہ کو سمجھنے سے ہماری انفرادی واجتماعی زندگی بہت سارے فساد سے محفوظ ہو سکتی ہے۔



# دولت کی محبت
## سے بچاؤ کی صورت

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی محبت ساری بُرائیوں کی جڑ ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سرمایہ دار (مالدار) کا خدا کی خدائی میں داخل ہونا اونٹ کے سوئی کے ناکہ میں داخل ہونے کے مترادف ہے۔

دنیا کی محبت دراصل دل کو اللہ کی محبت سے دور کر دیتی ہے، دنیا کی محبت فرد کے سامنے حرص وہوس کے بتوں کو سجا کر، اس طرح پیش کرتی ہے کہ وہ ساری زندگی دنیا کے جنون میں مبتلا ہو جاتا ہے، نفسیات کے ماہر کارلائل نے لکھا ہے کہ فرد کی حالت یہ ہے کہ اگر ایک موچی کو بھی آدھی دنیا کا خزانہ دیا جائے تو وہ اس پر مطمئن نہیں ہوگا، بلکہ وہ باقی آدھے خزانے کے حصول کے لئے ان خزانوں کے حامل افراد سے حالت تصادم میں رہے گا۔

مولانا رومی کا کہنا ہے کہ دنیا دولت ودرہم نہیں ہے، بلکہ دنیا دل کی گہرائیوں میں بستی ہے، اگر دل دنیا کی محبت سے خالی ہو جائے تو دولت ودرہم نقصاندہ نہیں ہے۔

مال ودولت سے فرد کی بہت ساری ضرورتیں وابستہ ہیں، اس لئے دولت کے لئے ایک حد تک جدوجہد کرنا ناگزیر ہے، لیکن اس اہتمام کا ہونا ناگزیر ہے کہ دولت دل کی گہرائیوں میں داخل نہ ہونے پائے۔

آج ہمارے ملک کی جو حالت ہے کہ اسی فیصد سے زائد آبادی روٹی کی محتاج ہو گئی ہے، اس کا سبب سیاستدانوں، حکمرانوں، بڑے بڑے افسران، سرمایہ داروں اور تاجروں وغیرہ کی مال سے جنون کی حد تک محبت ہی ہے، مذکورہ طبقات کی مال سے اس محبت کی وجہ سے قومی خزانہ خالی ہے اور ملک عالمی مالیاتی اداروں کے سودی قرضوں پر گزارا کرنے پر مجبور ہے، دو چار فیصد افراد کے پاس دولت کے اتنے خزانے موجود ہیں کہ وہ اربوں کھربوں روپے کے مالک ہیں، یہ سارا قومی خزانہ ہے جو وہ مختلف طریقوں سے لوٹ مار کے ذریعہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

دل سے دولت کی محبت کو نکالے بغیر محض قانون اور پکڑ دھکڑ سے دولت پرستی کے رجحانات ومیلانات کو کم نہیں کیا جاسکتا، اس وقت پوری انسانیت دولت پرستی کے بحران سے دوچار ہے، کوئی قانون ایسا موجود نہیں ہے، جو سرمایہ داروں، مالداروں اور باصلاحیت افراد کے دل سے اس جنون کو نکال سکے، اسلام کا تربیتی نظام ہی ایسا ہے کہ اسے اگر نظام تعلیم کا حصہ بنایا جائے تو قوم بحیثیت مجموعی دولت پرستی کی بیماری سے نجات حاصل کر سکتی ہے، اللہ کی محبت اور اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس ہی وہ چیز ہے، جو اگر تعلیم وتربیت کے نظام میں شامل کی جائے تو دولت پرستی سے نجات حاصل ہوسکتی ہے۔اس کی دوسری کوئی صورت نہیں۔



# اللہ کی محبت کا

## انسانی فطرت کا ناگزیر حصہ ہونا

اللہ کی محبت انسانی فطرت کا ناگزیر حصہ ہے، یہ محبت ایسی ہے جو فرد کے سارے جذبات حسن کی تسکین کے لئے کافی ہے، اہل اللہ کا بیان کردہ یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اگر مختصر الفاظ میں دنیا میں انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد بیان کرنے کے لئے کہا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ انسانی فطرت میں ودیعت شدہ محبت کو بیدار کرکے اسے ارتقائی صورت دی جائے، اور اس محبت کے زیر اثر اللہ کی اطاعت کو مقصود بنایا جائے۔

قرآن نے مومنوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اللہ سے والہانہ محبت رکھتے ہیں۔ **(والذین آمنوا اشد حباللہ)**

جدید ماہرین نفسیات نے انسانی فطرت میں موجود جن طاقتور جذبات کو نصب العین کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اس میں جنسی تقاضا ہے، دوسروں پر فوقیت کا جذبہ ہے، خالص حیوانی وجبلی نوعیت کے جذبات ہیں، فرائیڈ، ایڈلر اور میگڈوگل نے اسی طرح کے نظریات پیش کئے ہیں، ان نظریات نے اہل مغرب کو شدید متاثر کرکے، جنس پرستی، ایک دوسرے پر برتری کے حصول کی جدوجہد اور حیوانی جذبات کی تسکین کی راہ پر لگایا ہے، بدقسمتی سے مسلم دنیا کے جدید طبقات بھی ان نظریات سے متاثر ہوکر، اللہ کی محبت کے نصب العینی تقاضے سے دور ہوگئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی شخصیت لازوال حسن کے مشاہدہ کے لئے بے چین ہے، اس کے بغیر اس کے جذباتِ محبت کی تسکین ہرگز نہیں ہوسکتی، مذکورہ بالا نظریات اگر فطرت کا حصہ ہوتے تو ان چیزوں کی تکمیل سے فرد وافراد کی بے چینی وبے قراری از خود دور ہوجاتی، لیکن ایسا نہیں ہوا اور افراد کی بے چینی نہ صرف برقرار ہے، بلکہ اس میں اضافہ ہوا ہے اور یہ بے چینی افراد کو خودکشی تک کرنے پر مجبور کررہی ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ افراد کا صحیح نصب العینی تقاضا یہ تصورات نہیں، بلکہ اللہ سے والہانہ محبت کا تقاضا ہے، جب فرد اللہ سے محبت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے تو وہ خوشی، مسرت اور حلاوت کی ایک عجیب وغریب دنیا سے آشنا ہوجاتا ہے۔

# انانیت اور بڑے پن کی بیماری

## اور اس کے اثرات ونتائج

انسانی شخصیت میں ایک خرابی جو موجود ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ فساد سے دوچار ہوتا ہے، وہ تکبر، انانیت اور بڑے پن کی خرابی ہے، انانیت کی یہ بیماری عام طور پر زیادہ علم سے، زیادہ ذہانت سے، زیادہ دولت سے اور حکمرانی وافسری سے زیادہ شدت سے آجاتی ہے اور افراد کے مزاج میں ایسا فساد پیدا کردیتی ہے کہ وہ جذبۂ انانیت کی تسکین کے لئے دوسروں سے ٹکراؤ اور حالت کشمکش میں رہنے لگتے ہیں، تکبر اور انانیت کی یہ بیماری دراصل شیطان کی خصلت رہی ہے، شیطان اپنے علم اور کثرت عبادت کے باوجود راندہ درگاہ اس لئے ہوا کہ اس نے اللہ کے حکم سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ میں اس سے افضل ہوں، جذبہ افضلیت اور جذبہ برتری کی یہی ''خصلت'' آزمائش کی خاطر انسان کے اندر بھی رکھ دی گئی ہے، تکبر اللہ کے شایان شان ہے، اسے اپنی اس صفت میں کسی کی شرکت گوارا نہیں ہے، تکبر اور انانیت کی یہ بیماری اتنی عام ہے کہ لگ بھگ ہر فرد کسی نہ کسی حد تک اس بیماری میں ضرور مبتلا ہے، بڑے طبقات میں تو یہ بیماری خطرناک حد تک موجود ہے، معاشرے میں افراد کا افراد سے ٹکراؤ ہو یا اہل سیاست کا ایک دوسرے سے ٹکراؤ ہو یا اہل علم کا ایک دوسرے سے ٹکراؤ ہو، اس میں مفادات سے بھی زیادہ جذبہ انانیت کو عمل دخل حاصل ہے، اپنی برتری ایسی چیز ہے، جس سے دستبردار ہو کر عاجزی کی راہ اختیار کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں، انانیت جس طرح افراد میں پیدا ہوتی ہے، اسی طرح نسلی قومیتوں اور گروہوں میں قومی برتری کی صورت میں آجاتی ہے، جس سے برادریاں برادریوں سے اور قومیتیں قومیتوں سے ٹکراتی ہیں، تکبر اور انانیت کے موضوع پر ہم نے اپنی کتاب ''انسانی شخصیت میں نصب بت'' میں تفصیل سے بحث کی ہے، جو ''بیداری ملت'' کے نام سے ویب سائیٹ پر موجود ہے۔



# جعلی تصوف۔ ظاہری تصوف

## اور حقیقی تصوف

جعلی تصوف کے علاوہ بھی تصوف کی دو شکلیں ہیں، ایک تو تصوف کی ظاہری صورت ہے کہ بزرگ نما شخصیتوں کی صحبت اور ان کے دیئے ہوئے ذکر سے فرد کی ظاہری زندگی میں تبدیلی آنے لگتی ہے، شکل وصورت بدلتی ہے، کچھ دینداری آجاتی ہے، کچھ بہتر کیفیات پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں، ذکر کے بھی کچھ معمولات شروع ہو جاتے ہیں، لیکن باطن کی اصلاح نہیں ہو پاتی، حب جاہ وحب مال، جذبہ شہرت اور جذبہ خود نمائی نکلنے نہیں پاتی، اس کا سبب یہ ہے کہ بزرگ کی روحانیت کے مجاہدے ناقص ہوتے ہیں، اور صحبتِ شیخ کا دورانیہ مختصر ہوتا ہے، وہ باطن کی پوری طرح پاکیزگی کے مراحل سے گزرنے میں کامیاب نہیں ہوا ہوتا، اس طرح کے بزرگ سے وابستگی کے نتیجہ میں ان سے وابستہ افراد کے دل پر بزرگ کے قلبی حالات کی عکس ریزی ہوتی رہتی ہے، چونکہ اس میں خود حب مال اور جذبہ شہرت کے اجزاء موجود ہوتے ہیں، اس لئے طالب یا سالک کی ظاہری اصلاح تو ہو جاتی ہے، لیکن اندر کی پاکیزگی کا ان کا عمل متاثر ہوتا ہے، اس طرح کے اہل تصوف سے زندگی بھر وابستہ رہنے کے نتیجہ میں فرد وافراد کچھ کیفیات، ظاہری دینداری اور ذکر کے کچھ معمولات سے آگے بڑھکر سیرت وکردار میں پاکیزگی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اہل تصوف کی دوسری صورت حقیقی صورت ہے، جس میں نفس کے خلاف اہل تصوف کے مجاہدے اتنے غیر معمولی ہوتے ہیں کہ ان کی نفسی قوتوں کا زور ٹوٹ جاتا ہے، وہ دنیا کی محبت اور جذبہ شہرت وغیرہ سے اوپر اٹھ چکا ہوتا ہے، اس طرح کے بزرگوں کی صحبت اور ان سے مسلسل وابستگی کے نتیجہ میں سالک بہتر کیفیات کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس میں بھی بڑی حد تک کامیاب ہو جاتا ہے۔

موجود دور میں تصوف کے نام پر جن مظاہر کا چلن ہے، وہ جعلی تصوف کے ساتھ ساتھ پہلی نوعیت کا ظاہری تصوف ہے، جب تک باطن کی گہرائیوں تک پہنچنے والے اہل تصوف سے تعلق قائم نہ ہوگا، حقیقی اصلاح کی صورت پیدا نہ ہو سکے گی، اس نکتہ کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔

# حقیقی اہل تصوف کی

## کچھ علامتیں

حقیقی اہل اللہ (جن کی صحبت سے زندگی میں حقیقی انقلاب برپا ہوتا ہے) ان کی کچھ علامتیں یہ ہیں، (۱) مادی دوڑ میں شریک ہونے سے انکار کی نفسیات کا غلبہ (۲) فقر محمدی کے اجزاء سے بہرہ وری (۳) سیرت و کردار میں پاکیزگی (۴) آنے والوں خاص طور پر اللہ کی طلب کی خاطر آنے والوں کے لئے ان کے دروازوں کا کھلے رہنا اور ہر وقت دستیاب ہونا (۵) مالداروں کی طرف غیر معمولی جھکاؤ کا نہ ہونا (۶) لوگوں کی اصلاح کے لئے حریصانہ اداؤں کا ہونا (۷) تفکر اور کم گوئی کا ہونا (۸) حکمت، فراست اور بصیرت کا حامل ہونا (۹) گفتگو میں سلیقہ، وقار، نرمی و محبت کا ہونا (۱۰) غصہ وعتاب کے وقت بھی محبت کے اجزاء کی آمیزش کا ہونا (۱۱) اختلافی مسائل و معاملات میں الجھنے سے پرہیز کا ہونا (۱۲) اپنا نیا دائراتی گروہ مستحکم کرنے کی بجائے امت پن کو اہمیت دینا، اور مسلمانوں کو امت کی حیثیت سے دیکھنا (۱۳) مادہ پرستی کی بڑھتی ہوئی طوفانی لہروں کی روک تھام کے لئے اپنے حصہ کا بھرپور کردار ادا کرنا (۱۴) خلافت کو امانت سمجھکر اس میں فیاضی کا مظاہرہ ہونے کی بجائے غیر معمولی مجاہدوں کے مراحل سے گزر کر، نفس کو مہذب بنانے والے طلبہ ہی کو اس امانت کا مستحق سمجھنا وغیرہ وغیرہ، اس طرح کے اہل اللہ ہی معاشرے کی کریم ہیں، اور دنیا انہی کے دم قدم سے قائم ہے، اگرچہ اس دور میں ایسے اہل اللہ کا فقدان ہے، چونکہ معاشرہ میں سچی روحانیت اور تزکیہ نفس کی طلب بھی ختم ہوگئی ہے، اس لئے ایسے اہل اللہ پس منظر میں چلے گئے ہیں، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر طلب موجود ہو تو تلاش کے نتیجہ میں ان تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے، جسے اس طرح کے اہل اللہ کی مستقل صحبت حاصل ہوئی، اسے گویا سعادت دارین حاصل ہوگئی، اس لئے کہ ان کی مستقل صحبت سے رفتہ رفتہ ان کی صفات و خصوصیات پیدا ہوتی اور مستحکم ہوتی جاتی ہیں۔



# تواضع اور عاجزی کے بغیر

## سلیقہ انسانیت کا ہاتھ نہ آنا

زندگی میں عاجزی، انکساری اور چھوٹے پن کی راہ اختیار کرنا بہت بڑی سعادت کی بات ہے، جسے یہ نعمت عطا کی گئی، اسے گویا بہت ساری نعمتیں عطا فرمائی گئی، اس لئے کہ عاجزانہ روش سے تکبر کی جڑ بنیاد کٹتی ہے، عاجزی سے تحمل، بردباری اور نرمی کی صفتیں پیدا ہوتی ہیں، تواضع اور عاجزی سے معاشرے میں چھوٹا بن کر رہنے کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے، تواضع سے سب کے ساتھ اپنائیت کی ادا کی استعداد پیدا ہوتی ہے، تواضع سے خوشگوار زندگی نصیب ہوتی ہے، تواضع کی نفسیات سے دوسروں سے یک طرفہ طور پر اپنے اختلافات ختم کر کے، ان سے بہتر تعلقات استوار کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے، تواضع سے خود احتسابی پیدا ہوتی ہے کہ فرد اپنے آپ کو کم تر سمجھتے ہوئے دوسروں کو افضل سمجھنے لگتا ہے، تواضع سے معاشرہ میں وحدت و اتحاد کی فضا پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہے، تواضع کا مزاج بدظنی کو ختم کر کے، حسن ظن کے جذبات کو فروغ دیتا ہے، تواضع کی اس اہمیت کی وجہ سے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ اس کو بلند کرتا ہے۔

تواضع کی اتنی اہمیت کے بعد اب سوال یہ ہے کہ یہ نعمت کیسے حاصل ہو؟ یہ سعادت دراصل متواضع انسانوں کی مسلسل صحبت سے ہی حاصل ہوتی ہے، اس کے حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ ذکر و فکر کے مجاہدے ہیں، جس سے مزاج میں ذکر کے انوار شامل ہو کر فرد کو متواضع بنا دیتے ہیں۔

# باطنی علم اور اس کی تشریح

امام غزالی نے فرمایا ہے کہ جو شخص باطنی علم کے اجزاء سے بالکل محروم ہوا، مجھے اس کے ایمان بالخیر کے خاتمہ کے بارے میں شک ہے، یہ باطنی علم کوئی صوفیانہ علم نہیں ہے، جس پر شک وشبہ ظاہر کیا جائے، بلکہ یہ باطنی علم وہی ہے، جسے حدیث شریف میں اپنے عمل کے بارے میں اندر کے مفتی سے فتویٰ پوچھنے سے عبارت کیا گیا ہے۔

قلب کا مفتی جب بیدار ہوتا ہے تو اعمال کے بارے میں اس کا فتویٰ طاقتور ہوتا ہے کہ میرے اعمال اللہ کے لئے ہیں یا دکھاوے کے لئے ہیں یا میرے اعمال رسم کی ادائیگی کے حامل ہیں، لیکن جب قلب سو جاتا ہے تو اس کے فتویٰ کا عمل رک جاتا ہے، فرد جذبہ شہرت کا مظاہرہ کر رہا ہوتا ہے، اس کے اعمال میں تکبر شامل ہوتا ہے یا اعمال کے پس پردہ حب مال کے جذبات شامل ہوتے ہیں، لیکن قلب کے سو جانے کی وجہ سے اسے ان اعمال کے بارے میں فتویٰ نہیں ملتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کے پس پردہ جو نیت کار فرما ہوتی ہے، اس نیت کے بارے میں قلب کی بیداری اور اس کی حساسیت کا ہونا ناگزیر ہے، قلب کی یہ خصوصیت ہے کہ جب ابتدا میں اعمال کے بارے میں اس کے فتویٰ کو مسترد کر دیا جاتا ہے تو قلب کے فتویٰ کا عمل سست ہو کر بالآخر مسدود ہو جاتا ہے، اس طرح اپنے اعمال کے بارے میں صحیح ادراک سلب ہو جاتا ہے، اس لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ فرد جب گناہ کرتا ہے تو دل میں سیاہ داغ آجاتا ہے اگر گناہوں سے باز نہیں آیا وہ مسلسل گناہ کرتا رہتا ہے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

دل کی اس سیاہی کو صاف کرنے کے لئے باطن کی بیداری کی ضرورت ہے، باطن کی اسی بیداری کی حالت کو باطنی علم بھی کہا جاتا ہے، قرآن میں ہے **وذروا ظاهر الاثم وباطنه** بچو ظاہری گناہوں سے بھی اور باطنی گناہوں سے بھی۔



# معرفت نفس اور معرفت رب

## کے علم کی ضرورت اور اس کی اہمیت

تین قسم کے علم ضروری ہیں، ایک دنیاوی علم، جس سے روزگار میں آسانی ہو، دوسرا مسائل ومعاملات کی حد تک دینی علم، خصوصا جن معاملات سے افراد کا خاص تعلق ہو، ان معاملات کے بارے میں دینی علم ضروری ہے، یہ علم کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہو یا علماء سے پوچھکر، دونوں صورتیں صحیح ہیں۔

تیسرا علم معرفت کا ہے، جسے معرفت نفس اور معرفت رب کا علم بھی کہہ سکتے ہیں، اس علم کے بغیر دوسرے علوم ادھورے رہ جاتے ہیں، اس لئے کہ اگر خود شناسی حاصل نہ ہو اور اپنی معرفت حاصل نہ ہو تو فرد اپنی شخصیت میں موجود بہت سارے اسرار ورموز سے آشنا نہ ہو سکے گا اور نفس کی مکر وفریب کی ہزار ہا وارداتوں کے فہم سے قاصر رہے گا، اس طرح وہ نہ چاہتے ہوئے بھی نفسی قوتوں کے زیر اثر ہو کر، انانیت، ضد، حسد، خود غرضی اور خود نمائی جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو جائے گا اور زندگی بھر ان بیماریوں میں مبتلا ہونے کے باوجود ان کی نوعیت کو سمجھ نہیں سکے گا۔

معرفت کا علم ایسا ہے، جس سے حاصل شدہ ظاہری علم پر عمل کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور سلیقہ انسانیت سے بہرہ وری ہوتی ہے، اس طرح فرد اپنی ذات اور معاشرے کے لئے باعث خیر وبرکت بنتا ہے۔

معرفت کا علم دراصل اندر میں غوطہ زن ہو کر، فطرت میں ودیعت شدہ علوم تک رسائی حاصل کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے، اس سے معرفت رب بھی حاصل ہوتی ہے، چونکہ انسانی شخصیت کا ایک سرا اپنے حقیقی خالق اور مولا سے ملتا ہے (روح اور دل کے ذریعہ) اس لئے معرفت نفس سے معرفت رب کی ایک حد تک صورت پیدا ہوتی ہے، اس طرح انسانی شخصیت کے سارے جذباتِ حسن کی تسکین پیدا ہوتی ہے۔

# علمی برتری و علمی حجابات

## اور اس کے نتائج

علم کے لئے کاوشیں ناگزیر ہیں، دنیاوی علوم وفنون سے قوموں کی مادی ترقی وابستہ ہے تو دینی علوم سے دین کا پورا نظام متعلق ہے، لیکن ان دونوں علوم کے حصول کی جدوجہد کے دوران یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کہیں علم سے علمی برتری اور علمی حجابات پیدا نہ ہو جائیں، کہیں یہ علوم تزکیہ نفس اور خودشناسی اور اللہ شناسی کی راہ میں حائل نہ ہو جائیں۔

علمی حجابات اور علمی برتری بتا کر نہیں آتیں، بلکہ خودشناسی نہ ہونے کے لازمی نتیجہ کے طور پر یہ حجابات پیدا ہو جاتے ہیں، جس سے علم کے فوائد و ثمرات ضایع ہو جاتے ہیں، ہم اپنے ملک کے مؤثر طبقات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ملک میں غربت وافلاس کی حالت پیدا کرنے اور عام لوگوں کو نانِ جبینہ کا محتاج بنانے میں جو کردار جدید تعلیم یافتہ طبقات نے ادا کیا ہے، جس میں حکمران، اہل سیاست، بیوروکریسی، سرمائیدار، بڑے بڑے تاجر، بڑے بڑے ڈاکٹر وغیرہ شامل ہیں، غیر تعلیم یافتہ افراد نے اس کا ہزارہا حصہ بھی ادا نہیں کیا، ڈاکو لوٹ مار کرتے ہیں تو وہ زیادہ سے زیادہ لاکھوں روپے کی لوٹ مار ہوتی ہے، لیکن مذکورہ طبقات کی لوٹ مار کروڑوں، اربوں روپے کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دولت کا ایک جنون ہے جس میں مذکورہ طبقات مبتلا ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم کے سارے فوائد و ثمرات برباد ہو گئے اور علم ذاتی مفادات کے حصول اور نفسی حجابات کا ذریعہ بن گیا۔

ایسا اس لئے ہوا کہ علم سے خودشناسی اور اللہ شناسی کی روح نکال دی گئی، اس لئے علم خودغرضی، مفادپرستی، نفس پرستی اور دولت پرستی کا ذریعہ بن گیا۔

کوئی قانون ایسا نہیں، جو خودشناسی اور اللہ شناسی کا بدل بن سکے، اس لئے ضروری ہے کہ علوم کے حصول کے وقت خودشناسی اور اللہ شناسی یعنی معرفت نفس اور معرفت رب کے کچھ اجزاء بھی منتقل کرنے کی کوشش ہو اور اس کا خصوصی اہتمام ہو۔



# دین کی سلف صالحین کی

## پیش کردہ ترتیب کی اہمیت

جدیدیت کے میلانات اور رجحانات نے ملی زندگی کو جو نقصانات پہنچائے ہیں، وہ تو اپنی جگہ، لیکن دین کی جدید تشریح کے نام پر بھی جدیدیت کے گہرے اثرات شامل ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے سلف صالحین کی پیش کردہ دین کی ساری ترتیب تبدیل ہو گئی ہے اور خارجی زندگی میں جدوجہد دین کا نصب العین بن گیا ہے، سلف صالحین نے دین کی جو ترتیب پیش کی تھی، اس میں اصلاح نفس، تزکیہ نفس، اللہ کی محبت و معرفت، باطنی بیماریوں سے نجات، سیرت و کردار میں پاکیزگی، دنیا کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کو ترجیح دینا، اعمال صالحہ، حمیت دین، جذبہ جہاد وغیرہ یہ ترتیب تھی۔

سلف صالحین کی طرف سے پیش کردہ دین کی یہ تشریح قرآن وسنت سے ماخوذ ہے اور صحابہ کرام کی زندگیوں سے دین کی یہی ترتیب ثابت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ ایمان کے استحکام سے پہلے اگر شریعت کے قوانین نازل ہوتے تو (غیر تربیت یافتہ افراد) اس پر عمل نہ کرتے، اس لئے اللہ نے دین کی ترتیب ہی یہی رکھی کہ سب سے پہلے ایمان کی مضبوطی، توحید میں رسوخ اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت، جذبہ اطاعت اور خفتہ باطنی قوتوں کی بیداری، اس کے بعد شریعت کے احکام اور جذبہ جہاد وغیرہ کی ترتیب شامل ہے۔

دین کی اس ترتیب کی خصوصیت یہ ہے کہ جب ایمان مستحکم ہوتا ہے، اللہ سے والہانہ محبت کا تعلق قائم ہوتا ہے تو اللہ کے لئے ایثار و قربانی دینا، نفسی قوتوں سے مقابلہ کرکے، اسے زیر کرنا اور اپنی شخصیت کو اسلامی شریعت سے ہمہ آہنگ کرنا آسان ہوتا ہے۔

جدید اسلامی فکر کے حاملوں نے سلف صالحین کی دین کی اس ترتیب کے برعکس اپنے علم اور اپنی ذہانت سے قرآن وسنت کا جو مفہوم سمجھا، جس مفہوم کو پیش کرنے میں انہوں نے اپنی ساری توانائیاں خرچ کی، وہ ترتیب یہ ہے کہ دین کا نصب العین ہی خارجی زندگی میں تبدیلی اور ریاستی نظام

کی اسلام سے ہمہ آہنگی کے لئے جدوجہد ہے (واضح ہو نصب العین وہ ہوتا ہے، جس کے گرد ساری تعلیمات گھوم رہی ہوتی ہیں)۔

دین کی اس ترتیب کی تبدیلی سے کچھ فوائد بھی ہوئے، لیکن اس کے نقصان کا یہ پہلو بھی سامنے آیا کہ تزکیہ نفس، اصلاح نفس، اللہ سے والہانہ محبت اور سیرت و کردار میں پاکیزگی جیسے سارے کام ثانوی حیثیت اختیار کر گئے، بلکہ یہ سارے کام خارجی زندگی میں جدوجہد کے نصب العین کے تابع ہو گئے، جس کی وجہ سے باطنی زندگی میں حقیقی انقلاب برپا ہو کر، اسلامی جدوجہد کے لئے ایثار و قربانی دینے اور ہر محاذ پر باطل سے مقابلہ کی پوری طرح استعداد پیدا نہ ہو سکی۔

اس نکتہ کو سمجھکر دین کی سلف صالحین کی پیش کردہ ترتیب کو اختیار کرنا پڑے گا، اسی سے معاشرے اور ریاست کی اسلامی بنیادوں پر تشکیل کے کام کی استعداد و صلاحیت پیدا ہو گی۔



# علم کے نام پر مفادات کی جنگ سے بچنے کی صورت

قرآن نے ۲۸ پارے میں اہل کتاب کے علم کو گدھے پر لدے ہوئے کتابوں سے تشبیہ دی ہے (الجمعتہ آیت ۵) قرآن میں دوسری جگہ ہے **ولیزیدن کثیرا منھم ما انز ل الیك من ربك طغیانا و کفرا** (المائدہ آیت ۶۸) (آپ پر اپنے رب کی طرف سے جو آیتیں نازل ہو رہی ہیں، اس سے اہل کتاب کی اکثریت میں سرکشی اور کفر میں اضافہ ہو گا)۔

قرآن میں فرعون اور فرعونیوں کے بارے میں ہے **وجحدوابھا وستیقنتھا انفسھم ظلما وعلوا** (النمل آیت ۱۴) (اور فرعونیوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے حق کا انکار کیا، حالانکہ ان کے دل اسے مان چکے تھے)۔

دراصل علم دودھاری تلوار ہے، اس تلوار سے نفسی قوتوں کو فنا بھی کیا جا سکتا ہے تو ساتھ ساتھ علم کی روح سے اعراض (دوری) اختیار کر کے، علم کو ذاتی مفادات اور علمی برتری کے مقاصد کے لئے بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

علم کے اس دوجداگانہ پہلوؤں کی وجہ سے علم کے حصول کی جدوجہد کے دوران خود احتسابی کے ذریعہ فطرت میں موجود تقاضوں کو سمجھنا ناگزیر ہے، فطرت کے یہ تقاضے دراصل محبوب حقیقی سے والہانہ محبت کے تقاضے ہیں، اگر علم، محبت کے ان تقاضوں کی بیداری کا ذریعہ نہیں بنتا تو ایسا علم الفاظ کا گورکھ دھندہ تو ہو سکتا ہے، حقیقی علم نہیں ہو سکتا۔

چونکہ ہماری قومی زندگی بلکہ لگ بھگ پوری انسانیت علم کے حقیقی فوائد و ثمرات سے محروم ہے، اس لئے اس نکتہ کی یاددہانی ضروری ہے کہ علم کی دودھاری تلوار کا صحیح استعمال ضروری ہے، اس کے صحیح استعمال کی صورت یہی ہے کہ علم کے ساتھ ساتھ فطری تقاضوں کی بیداری کی طرف خصوصی توجہ دی جائے اور ضمیر کو بھی بیدار کرنے کی کوشش کی جائے۔

ایسا کرنے سے ہی علمی حجابات دور ہو کر نافع علم حاصل ہو سکتا ہے، دوسری صورت میں علم کے نام پر مفادات کی ایک جنگ برپا ہو گی اور انسانیت مفادات کی اس جنگ کی نذر ہوتی رہے گی۔

# مسلم نفسیات اور مغربی نفسیات

## (ایک نظر میں)

مسلم نفسیات کی تاریخ چودہ سو سال تک پھیلی ہوئی ہے، جب کہ مغربی نفسیات کا عرصہ ڈیڑھ دو سو سال سے زیادہ نہیں ہے۔

مسلم نفسیات کا سارا زور دل اور روح کو مستحکم کر کے، ان کے ذریعہ سے انسانی نفسیات اور شخصیت کو متوازن بنانا ہے، اس سے نفس کی حالت میں بھی تغیر پیدا ہوتا ہے تو دماغ بھی صحتمند خطوط پر سوچنے لگتا ہے، نیز دل، دماغ، روح اور نفس کے درمیاں مغایرت اور دوری ختم ہو کر، ایک دوسرے کے درمیان قربت پیدا ہوتی ہے، دماغ جو سوچتا ہے، وہ وہی سوچ ہوتی ہے جو دل اور روح کی چاہت ہوتی ہے، نفس کی حالت میں تغیر برپا ہو جاتا ہے اور وہ نفس مطمئنہ کی صورت اختیار کرنے لگتا ہے، اس طرح مسلم نفسیات انسانی شخصیت کے اہم اور بنیادی حصوں کے درمیان کشمکش اور ٹکراؤ کو ختم کر کے نفسیات اور دماغ میں پیدا ہونے والے خلل اور فسادی اثرات کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

مسلم نفسیات کے ماہروں نے چودہ سو سال میں کروڑہا بلکہ اربہا انسانوں کے دل اور دماغ کو متوازن بنا کر، ان میں قربت پیدا کر کے سرے سے نفسیاتی بیماریوں کو پیدا ہی نہیں ہونے دیا، مسلم نفسیات کا تحلیل نفسی اور تہذیب نفس کا یہ تجربہ اتنا کامیاب رہا ہے کہ ہر دور میں لاکھوں افراد ہر طرح کی ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں سے بچاؤ میں کامیاب رہے۔

جب کہ مغربی نفسیات کی بنیاد دل اور روح پر ہونے کی بجائے شعور اور لاشعور پر ہے، چونکہ انسانی شخصیت کے فہم کی بنیاد ہی کمزور ہے، اس لئے جدید انسانوں میں نفسیاتی بیماریوں کی ایک وبا وہ ہے جو پھوٹ پڑی ہے۔

نفسیاتی بیماریوں سے بچاؤ کے لئے جدید نفسیاتی ماہروں کی طرف سے نئی نئی تدابیر اختیار کی جارہی ہیں اور شعور کو سلانے کے لئے نئی نئی دوائیں ایجاد ہو رہی ہیں، لیکن وقتی فائدہ کے علاوہ مستقل فائدہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، سبب یہ ہے کہ انسانی شخصیت اور اس کے سارے داخلی نظام کو سمجھنے کے لئے وحی کی ضرورت ہے، وحی کے ذریعہ ہی انسان میں موجود دل کے انوار الٰہی کے اخذ کی صلاحیت کو سمجھا جاسکتا ہے اور روح کے محبوب حقیقی کے لئے اضطراب کی نوعیت کو بھی۔



# مسلم نفسیات کے ماہروں کا

## طریقہ علاج

مسلم نفسیات کے ماہروں کے ہاں ہر طرح کے نفسیاتی مریضوں کے علاج کے لئے جو طریقہ مروج رہا ہے (جو سب سے زیادہ مؤثر رہا ہے) وہ یہ ہے کہ ڈپریشن کے مریض کو کہا جاتا ہے کہ وہ مسلم ماہر نفسیات (جسے روحانی استاد بھی کہا جاتا ہے) اس کی صحبت میں مسلسل آتا رہے، روزانہ نہیں تو کم از کم ہفتہ میں ایک بار ضرور آتا رہے اور اپنے آپ کو مریض سمجھکر آتا رہے اور اپنی شخصیت کو مکمل طور پر روحانی استاد کے حوالے کر دے، صحبت کے اس عمل سے روحانی استاد کے لاشعور یعنی باطن سے طاقتور مثبت شعائیں اٹھکر، مریض کے لاشعور کو بدل کر، اسے مثبت بنانے، اس کے شعور اور اس کے رخ کو بدلنے میں کردار ادا کرتی رہیں گی، اس کے ساتھ ساتھ مریض کو اسم ذات کا ذکر بھی دیا جاتا ہے، اس ذکر کے اہتمام سے اس کے قلب میں لازوال ہستی کے انوار حسن کا ورود ہونے لگتا ہے، جس سے لاشعور میں موجود منفی قوتوں کے خلاف جنگ کا عمل شروع ہونے لگتا ہے۔

صحبت اور ذکر کے عمل سے ڈپریشن میں محسوس شدہ کمی آنا شروع ہو جاتی ہے اور نئی زندگی کا احساس مریض کو خوشیوں سے سرشار کر دیتا ہے۔

موجودہ دور میں مسلم نفسیات کے ماہروں کی قدر و قیمت ختم ہو جانے اور مغربی ماہرین نفسیات ہی کو سب کچھ سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ نفسیاتی مریضوں کی بیماریاں پیچیدہ سے پیچیدہ ہو جاتی ہیں۔

مسلم نفسیات کے ماہروں یعنی روحانی استادوں نے صدیوں تک افراد پر اثر انداز ہو کر، معاشرے کو نفسیاتی مریضوں کے معاشرے میں تبدیل ہونے سے بچائے رکھا۔

ہماری تاریخ میں پہلی بار یہ ہوا ہے کہ مسلم ماہروں پر اعتماد مکمل طور پر ختم ہوا ہے، بالخصوص جدید تعلیم یافتہ افراد کا ان پر اعتماد مجروح ہوا ہے، اس کی سزا معاشرے کو جو رہی ہے، وہ یہ ہے کہ معاشرے میں نفسیاتی مریضوں کی تعداد دن بدن تیزی سے بڑھتی جارہی ہے۔

# جدیدیت سے مرعوبیت
# کی ایک دوسری صورت

جدیدیت سے تاثیر پذیری کی ایک صورت یہ ہے کہ اسلام کو عبادات، اصلاح نفس، فکر آخرت، سیرت و کردار میں پاکیزگی اور دعوت تک محدود رکھا جائے، نیز اسلام کے نظام زندگی اور جہاد وجذبہ جہاد اور سیاست کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی مخالفت کی جائے، یہ جدیدیت سے مرعوبیت ہی کی شکل ہے۔

اس مرعوبیت کی سب سے بڑی مثال مولانا وحید الدین خان کی فکر ہے، موصوف نے سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں، چالیس پچاس سال سے ''الرسالہ'' کے نام سے ماہنامہ رسالہ بھی نکال رہے ہیں، ان کی ساری فکر کا محور اسلام کی اصلاح نفس فکر آخرت اور دعوت پر مبنی ہے اور امت میں جن شخصیتوں نے بھی سیاسی نظام سے متعلق اسلامی تعلیمات کو اجاگر کیا یا حکومتی نظام کو اسلام سے ہمہ آہنگ بنانے کی کاوشیں کیں یا موجودہ دور میں مسلم امت جہاں بھی اپنی زندگی اور بقا کے لئے جہاد وقتال کر رہی ہے، موصوف اپنی قلمی صلاحیتیں ان کے خلاف صرف کر رہے ہیں۔

اسلام کے اس محدود تصور کے بارے میں مولانا وحید الدین خان صاحب ہزارہا سے زیادہ صفحات لکھ چکے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ صدیوں سے وہ پہلی شخصیت ہیں، جنہوں نے اسلام کی اصلاح نفس اور دعوتی نوعیت کے پیغام کو سمجھکر، اسے باقائدہ ایک مشن کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اسلامی تاریخ کے باقی سارے فضلا اور مفکرین، اسلام کے اس پیغام کی حقیقی نوعیت کو سمجھنے میں ناکام رہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات کا ایک قابل ذکر حصہ جہاد کی تعلیمات پر مشتمل ہے، مسلمان اگر اپنی بقا کے لئے مختلف مقامات پر جہاد وقتال کر رہے ہیں تو انہیں مجرم قرار دینا نہ صرف غلط ہے، بلکہ اسلام کی روح کو نہ سمجھنے اور جدید مغربی فکر سے شدید مرعوبیت ہی کا نتیجہ ہے۔

مولانا وحید الدین خان جیسی ممتاز علمی شخصیت سے اتنی فکری مرعوبیت اور اسلام کے پیغام کی نوعیت کو نہ سمجھنے کی توقع ہرگز نہیں تھی، اسلام کے فرائض میں جہاد وقتال بھی شامل ہے، جہاد کو



اہمیت نہ دینا اور مظلوم مسلمانوں کی طرف ہونے والی جہادی سرگرمیوں کی مذمت کرنا، جدیدیت سے تاثیر پذیری ہی کا نتیجہ ہے۔

ہماری نظر میں یقیناً اسلام کی تعلیمات میں تعلق باللہ، تزکیہ نفس، فکر آخرت، سیرت و کردار کی پاکیزگی جیسے کام نصب العینی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن اسلام کے سیاسی نظام اور اس نظام کے قیام کے لئے ہونے والی جدوجہد اور دنیا کے مختلف ممالک میں مظلوم مسلمانوں کی طرف سے ہونے والے جہاد کے ذریعہ اپنی بقا کی جنگ لڑنا، یہ تو دینی فرائض میں شامل ہے، اس کی مخالفت کا کیا جواز ہے۔

# کامیاب زندگی کے لئے

## اپنی پاکیزہ تہذیب سے وابستہ ہونا ناگزیر ہے

مادی ترقی کے لئے ہمیں مادی علوم وفنوں کے ذریعہ جدید ٹیکنالوجی کے حصول کے لئے کوششیں کرنی ہوگی، لیکن تہذیبی طور پر ہمیں اپنے ماضی سے وابستہ ہونا پڑے گا اور اپنے آباؤ واجداد کی پاکیزہ اقدار وروایات اور روحانی ثقافتی ورثہ سے چمٹنا ہوگا، اس لئے کہ ہمارے ثقافتی وروحانی ورثہ نے ہمارے اسلاف کی زندگیوں کو تابناک بنادیا تھا اور ان کی زندگیوں کو دوسروں کے لئے نمونہ بنادیا تھا، ہمارا یہ ثقافتی اور روحانی ورثہ دراصل وحی کی تعلیمات سے ماخوذ ہے، جو قرآن وسنت میں موجود ہے۔

جدید مادی تہذیب، روح کو سنوارنے اور اس کی بالیدگی کی راہ میں شدید رکاوٹ ہے، وہ صرف مادی جسم کو زیب وزینت سے بہرہ ور کرنے اور اسے طاقتور بنانے تک محدود ہے، جدید تہذیب کے علمبرداروں کے پاس اپنی قومی زندگی کے لئے جو چند بہتر اصول موجود ہیں، وہ بھی ہماری پاکیزہ اسلامی تہذیب ہی سے ماخوذ ہیں، ان اصولوں کی وجہ سے انہیں دنیا پر برتری حاصل ہے۔

قوموں کی زندگی اور بقا کا تعلق اجتماعی بہبود کے پاکیزہ اصولوں سے ہی ہوتا ہے، ہمارے چند اصولوں کو اہل مغرب نے اس کی روح کے بغیر اختیار کیا تو آج انہیں قوموں پر برتری حاصل ہوگئی ہے، جب کہ ہم نے اپنے پاکیزہ اصولوں اور اس کی روح سے دستبرداری اختیار کرلی ہے تو اس کی وجہ سے قدرت نے ہمیں بے رحم مادی قوتوں کے حوالے کردیا ہے، جو ہمیں پامال کررہی ہیں، اس موضوع کی تفصیل کے لئے آپ ہماری کتابیں دیکھ سکتے ہیں، جو ''بیداری ملت'' کے نام سے ویب سائیٹ پر موجود ہیں۔



# علمائے ربانیین کی صحبت کی ضرورت

ہمارا ایک دور وہ تھا کہ علمائے ربانین یعنی اہل اللہ کی صحبت، کم از کم ان کی زیارت کے لئے لگ بھگ ہر فرد مشتاق تھا، فتنوں سے بچاؤ کے لئے اہل اللہ کی صحبت کو ناگزیر سمجھا جاتا تھا، ایک دور یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ افراد تو خیر، دیندار لوگ بھی عام طور پر اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل اللہ ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں کی وجہ سے اپنے دل میں ذکر کا وافر ذخیرہ رکھتے ہیں، نیز ان کے دل میں انوار حسن کی شعائیں موجود ہوتی ہیں، جو صحبت ورابطہ سے منتقل ہوتی ہیں، جس سے ذہنی دباؤ کم ہوتا ہے اور فتنوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے، اس دور میں عقل اور عقلیت کی بڑھتی ہوئی فکر کے زیر اثر علمائے ربانین کی صحبت سے بے نیازی کی روش غالب ہے، اسی کا اثر ہے کہ معاشرے میں ہر طرح کے فتنوں کی یلغار ہوگئی ہے۔

عقل چونکہ عام طور پر نفس کے زیر اثر ہوتا ہے، نفس اپنی شخصیت کی بڑائی کے علاوہ دوسروں کی بزرگی کو قبول وتسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، اس لئے اس دور میں علمائے ربانی کو کوئی اہمیت دینے کے تیار نہیں۔

پہلے چونکہ عقل وعقلیت پر دل کو فیصلہ کن اہمیت کا احساس غالب تھا، اس لئے دل اور روح کے تقاضوں کے پیش نظر لوگوں کا بڑے پیمانہ پر اہل اللہ کی طرف رجوع تھا، اس کے نتیجہ کے طور پر ہمارا معاشرہ، بگاڑ، انتشار، خلفشار اور ذہنی اور نفسیاتی امراض سے بڑی حد تک محفوظ تھا، اب صورتحال بالکل مختلف ہے، ہم نے اپنے بزرگوں کے تسلسل کی خلاف ورزی کی اور علمائے ربانیں سے رشتہ توڑ لیا، اس کا نتیجہ ہم بھگت رہے ہیں کہ ہر گھر میں انتشار وخلفشار ہے، نوجوان نسل میں خودسری کا رجحان غالب ہے اور معاشرہ بُری طرح ذہنی اور نفسیاتی امراض کا شکار ہوگیا ہے، خودغرضی اور مفاد پرستی کی وبا عام ہوگئی ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنی سوچ پر نظر ثانی کریں اور ہمارے بڑے صدیوں سے علمائے ربانیں سے جو محبت کرتے تھے، ہم اپنی بڑوں کی روش اختیار کریں۔

# وجدان کی گہرائیوں میں
## ڈوبنے کا عمل اور اس کے اثرات

مولانا رومی کا کہنا ہے کہ دکھ، مصیبت اور اذیت نام ہے محبوب سے دوری کا، فرد جوں ہی محبوب حقیقی سے اپنا تعلق قائم کرلیتا ہے، وہ دکھ، مصیبت اور اذیت کے احساسات سے بلند ہو جاتا ہے۔

اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ فرد اپنے اندر میں ڈوبنے کی عادت ڈالے اور اس عادت کو رفتہ رفتہ مستحکم تر کرتا جائے، اور دن میں متعدد بار اس عمل کو دہراتا رہے، اس سے یہ ہوگا کہ وجدان کی گہرائیوں سے نورانیت ابھر کر، فرد کی شخصیت کا احاطہ کرے گی، اس طرح اس کے ہر طرح کے دکھوں کا مداوا ہو جائے گا۔

وجدان میں ڈوبنے کا عمل دراصل دل اور روح کو مادی اور نفسی قوتوں سے آزادی دلا کر، فطرت سے ہمہ آہنگ کرنے کا ذریعہ ہے، انسانی فطرت نیکیوں اور سراسر خیر سے وابستہ ہے **بل ھو ایاہ بینا ۃ فی صدور الدین اوتی العلم** (بلکہ یہ واضح آیت اہل علم ( اہل معرفت ) کے سینے میں (پہلے سے) موجود ہیں) ۔

**وفی انفسکم افلا تبصرون** (ہماری نشانیاں تمہارے اندر میں موجود ہیں آخر تم دیکھتے کیوں نہیں ہو)۔

**ونحن اقرب الیہ من حبل الورید** (ہم تم سے تمہاری رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں)۔

**وھو معکم اینما کنتم** (تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے)۔

محبوب حقیقی (جو کائنات کی خالق ہستی بھی ہے) اس کے ساتھ ہونے کا احساس ہی ایسی چیز ہے، جو غموں کے سارے پہاڑوں سے نجات کا ذریعہ ہے اور بے پناہ سکون و سکینت کا بھی۔

صاحب ایمان فرد جب اندر میں غوطہ زن ہوگا تو چونکہ وہ توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کا حامل ہوتا ہے، اس لئے اس کے یہ عقائد بھی مستحکم ہوں گے تو عبادات و معاملات کی بہتر سرانجامی کے سلسلے میں بھی وہ چست ہوگا۔



# قوموں کی زندگی میں برپا
## فساد کی تہہ میں کارفرما سبب کی نشاندہی

معاشرے میں شروع سے جو فساد برپا رہا ہے، گروہوں کا گروہوں سے ٹکراؤ، قوموں کا قوموں سے ٹکراؤ، ایک دوسرے پر بالادستی کی کوششیں وغیرہ یہ سب نفسی قوتوں اور نفسانیت ہی کی کارستانی رہی ہے، اس وقت بھی دنیا میں جہاں بھی جو بھی فساد اور ٹکراؤ موجود ہے، وہ نفسانیت ہی کا نتیجہ ہے۔

نفس اپنی برتری و بالادستی سے کم پر راضی ہونے کے لئے تیار نہیں، موجود دور چونکہ جدید اسلحہ اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے ماضی کے مقابلہ میں بہت آگے ہے، اس لئے نفسی قوتوں کو افراد، گروہوں اور قوموں کے درمیاں فساد برپا کرنے اور ملکوں کے درمیان جنگ کا بازار گرم کرنے اور قوموں کو معاشی اعتبار سے تباہی سے دوچار کرنے کے بڑے پیمانہ پر مواقع میسر ہوگئے ہیں، دنیا میں کوئی ادارہ اور کوئی قانون ایسا نہیں ہے، جو عالمی سرمایہ دار اور عالمی قوتوں اور بالاتر افراد کو ایسا کرنے سے روک سکے۔

نفس کے برپا کردہ فساد کی وجہ سے قوموں کی زندگی زہر آلود ہوگئی ہے، قوموں سے نچلی سطح پر آئیں گے تو افراد کا افراد سے ٹکراؤ نظر آئے گا، برادریوں کا برادریوں سے تصادم نظر آئے گا۔

ان حالات میں تہذیب نفس، ضبط نفس اور تزکیہ نفس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، لیکن اس دور میں تزکیہ نفس اور تہذیب نفس کی بات کرنا ہی دشوار ہوگیا ہے، اس لئے کہ مادیت کی قوتیں اتنی طاقتور ہیں اور انہوں نے فضا میں مادیت کے ایسے زہریلے اثرات چھوڑ دیئے ہیں کہ باطن میں جھانک کر، اپنے نفس کو اصلاح کے مراحل سے گزارنے کی سرے سے بات سننے پر ہی آمادگی موجود نہیں۔

بہر حال کچھ بھی ہو، ہمارا کام فساد کی تہہ میں کارفرما اصل سبب اور عامل کی نشاندہی کرنا ہے، چاہے بات سننے پر آمادگی ہو یا نہ ہو۔

# اسلام مذہب ہی نہیں، مکمل نظام زندگی ہے

اسلام محض ذکر و فکر اور انفرادی زندگی میں عبادت کا نام ہی نہیں ہے، بلکہ عقائد کے ساتھ ساتھ معاشرت، معاملات، کاروبار اور ریاست کے اجتماعی نظام کے لئے بھی وہ مکمل لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام محض مذہب نہیں ہے، اگرچہ مذہب، اسلام کا مؤثر اور اہم حصہ ہے، لیکن اسلام مذہب کے ساتھ ساتھ مکمل دین اور نظام زندگی بھی ہے، اس نظام زندگی کے ذریعہ جہاں سیاست، اسلام کے تابع ہوتی ہے، وہاں معیشت و معاشرت پر بھی اسلامی قوانین اور تعلیمات لاگو ہوتے ہیں۔

دوسرے مذاہب کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا عملی اجتماعی زندگی سے تعلق منقطع ہو چکا ہے، اس طرح دوسرے مذاہب جدید مادی تہذیب کے لئے کسی چیلنج اور خطرے کے حامل نہیں، یہ اسلام ہی ہے جو عالمی مادی تہذیب کے مقابلے میں مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام (بے شک اللہ کے نزدیک اسلام ہی قابل قبول دین ہے) اسلام سے اگر اجتماعی زندگی کے احکامات اور تعلیمات کو خارج کر دیا جائے تو دوسرے مذاہب کی طرح وہ محض پوجا پاٹ اور ذکر و فکر پر مشتمل مذہب بن جاتا ہے۔

جدید اسلامی مفکرین جنہوں نے اسلام کو بطور نظام زندگی کے پیش کیا ہے اور احیائے اسلام کے لئے جدوجہد کو فیصلہ کن اہمیت دی ہے، وہ قابل قدر ہیں کہ ان کی فکر نے سیکولرزم سے متاثر جدید مسلمانوں کے لئے فکری رہنمائی کا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

ہم اگر اسلام کے تہذیب نفس اور تزکیہ نفس کے پروگرام اور ذکر و فکر پر زور دیتے ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام کی اس بنیاد کو مستحکم کئے بغیر دین پر عمل پیرا ہونا مشکل ہے، ذکر و فکر کی مستقل اہمیت ہونے کے باوجود بہر حال یہ کلی دین نہیں ہے، بلکہ دین کا ایک اہم حصہ ہے، اس کا فرد کی انفرادی زندگی ہی سے تعلق ہے اور گہرا تعلق ہے۔



# دل کے ساتھ عقل کی سلامتی کی اہمیت

دل کی سلامتی کے ساتھ ساتھ عقل کی سلامتی کی بھی ضرورت ہے، اگرچہ جب دل سلیم ہو جاتا ہے تو وہ اپنی سلامتی کے کچھ اجزاء عقل کی طرف بھی منتقل کر دیتا ہے، لیکن عقل، غلط فکر کے حامل افراد کی صحبت سے جلد ہی بھٹک جاتی ہے، اس طرح دل کی سلامتی سے عقل بہرہ یاب نہیں ہو پاتی، یہاں اس کی دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

ایک مولانا صاحب تھے، جن کا زہد، فقر، دنیا سے بے نیازی اور درویشی مسلمہ تھی، لیکن وہ کافی وقت غلط فکر کے حامل افراد کی صحبت میں رہے، جس سے ان کی عقل متاثر ہوئی اور انہوں نے اسلام کی تشریح میں کمیونزم سے ہمہ آہنگ فکر پیش کی، اس طرح اسلام کا کمیونزم کا ایڈیشن تیار ہوا، ان کی فکر سے متاثر ہزارہا افراد ہیں، جو فکری طور پر کمیونسٹ فکر کے حامل افراد سے زیادہ قریب ہیں۔

دوسری مثال سندھ کے ایک مفکر (فکر دینے والی) شخصیت کی ہے، جنہوں نے اپنی غلط فکر کی وجہ سے سندھ کی تین نسلوں کو متاثر کیا اور ان کو اسلام سے دور کر دیا۔ حالانکہ ان شخصیت کے معمولات میں تھا کہ تہجد کے وقت اٹھکر تہجد پڑھنا اور اپنے خاندانی بزرگوں کے قادری سلسلے کا ذکر کرنا اور اوراد و وظائف پڑھنا، ان کے تقریباً دو گھنٹے تک یہ اوراد جاری رہتے تھے، لیکن تھیاسافیکل سوسائٹی (جو وحدت ادیان کی علمبردار تھی) موصوف کے ان سے گہرے تعلقات تھے، وہ ان کے حلقہ مراقبہ میں بھی شامل ہوتے تھے، ان کے اثرات کی وجہ سے ذکر و فکر اور اوراد و وظائف کے باوجود وہ اسلام کی مخالفت اور وحدت ادیان کے معاملے میں بہت آگے چلے گئے، اس لئے یہ کہنا بجا ہوگا کہ ذکر و فکر کے ذریعہ دل کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عقل کی صحیح اسلامی خطوط پر استواری کا کام

بھی ناگزیر ہے، دوسری صورت میں ذکر وفکر عادت کا حصہ بن جائے گا اور وہ عقل کو بھٹکنے سے بچانے میں ناکام ہوگا۔

عقل کی یہ بھٹکاوٹ دراصل منفی فکر کے حامل افراد کی صحبت کی وجہ سے ہی ہوتی ہے، اس لئے قرآن میں فرمایا گیا ہے **فلایصدنك عنها من لایومن بها واتبع هواه فتردیٰ** (پس کہیں ایسا نہ ہو کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اور خواہشات کا پیروکار ہے وہ تمہیں آخرت سے دور نہ کردے اگر ایسا ہوا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے)۔



# عادت کی حفاظت کا اہتمام

## ہونا ناگزیر ہے

انسان کے بہتر یا غلط ہونے یا شخصیت کی صحیح خطوط پر تعمیر یا غلط راستہ پر گامزن ہونے میں عادت کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے، اس لئے زندگی کے ہر موڑ پر عادت کی حفاظت ناگزیر ہے، اس کے لئے غلط فکر سے بچنے کی عادت کا ہونا بھی ضروری ہے تو منفی عمل سے احتیاط بھی۔

عادت کے موضوع پر ممتاز ماہر نفسیات ولیم جیمز نے بہت عمدہ بحث کی ہے۔ اس کا ایک مختصر حوالہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

''عادت کی وجہ سے دماغ میں کام کرنے کے خاص راستے بن جاتے ہیں اور وہاں عام شکلیں اور صورتیں قائم ہو جاتی ہیں، ہم اگر اپنے جذبات کو بلا عمل کے ایسے ہی گزر جانے کا موقعہ دیں تو اندر میں بلا عمل کے جذبات کے ٹھنڈے ہو جانے کی عادت اور شکل پیدا ہو جاتی ہے، اگر چند بار بھی ایسا کیا گیا تو ایسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے کہ فرد کو اطلاع ہوئے بغیر اس کے اندر سے عمل کی قابلیت اور صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، ایک عادت میں اتنی قوت ہے کہ وہ اس طبیعتوں یعنی طبعی قوتوں کے برابر ہے۔''

''جب تک نئی عادت مسلسل تکرار سے مضبوط اور مستحکم نہ ہو، تب تک اس عمل اور عادت میں ایک بار بھی ناغہ نہ ہو، اس لئے کہ نئی عادت میں معمولی کوتاہی اور ایک بار کی سستی اتنی نقصاندہ ہے، جتنا دھاگے کا وہ ریل جو ہاتھ سے گر جائے تو فرد کو بہت سارا دھاگہ از سر نو لپیٹا پڑے گا۔

نیک کام کی محض آرزو رکھنا اور عمل کے مواقع ضایع کرنا، نقصاندہ ہے، اس لئے کہ محض تمنا سے عمل کی مہلت ضایع ہو جاتی ہے پھر عمل اور عملی زندگی کے بجائے باتوں اور ہوائی خیالات میں ہی لذت آنے لگتی ہے، فرد اس لذت کو چھوڑ کر عمل اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ (ولیم جیمز کی کتاب ''نفسیات'' سے ماخوذ)

آج ہماری نوجوان نسل عام طور پر صحتمند اعمال کے لئے تیار نہیں ہے، وہ باتوں، سوالات اور اشکالات میں وقت گذارنا چاہتی ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟ ایسا اس لئے ہے کہ غلط صحبت اور الیکٹرانک میڈیا نے انہیں مادی حسن پر فریفتہ کر دیا ہے، اب مادی حسن اور زیب وزینت کے مادی سامان کے علاوہ کوئی بات ان پر اثر انداز نہیں ہو رہی ہے۔

جب منفی عادت کے ذریعہ یہ مزاج مستحکم ہو جاتا ہے تو ذہن، مزاج اور نفسیات نیکی کی کوئی بات قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، بلکہ وہ نیکی اور نیکوکاری کی باتوں کی شدید مزاحمت کرنے لگتے ہیں۔

اس لئے فرمایا گیا ہے کہ نیکی کی باتیں قبول کرنے میں دیر نہ کیا کرو، ورنہ طبیعت میں نیک باتوں کے سلسلے میں حجابات مستحکم ہو جاتے ہیں۔

قرآن میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔

**ولو علم الله فيهم خيرا لاسمعهم ولوا اسمعهم لتولوا وهم معرضون۔** (الانفال آیت ۲۳) (اور اگر اللہ ان میں نیکی کا مادہ دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق بخشتا اور اگر (ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت کے بغیر) سماعت دیتا تو وہ منہ پھیر کر بھاگ جاتے)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق یا اعمال صالحہ کی توفیق کا تعلق فرد کی اپنی استطاعت سے ہے کہ وہ غلط عادتوں کی وجہ سے اپنے مزاج کی منفی بنیادوں پر تشکیل کر چکا ہوتا ہے، اس لئے توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

اس صورتحال سے بچاؤ کی ایک ہی صورت موجود ہے کہ فرد ہمت وحوصلہ کا مظاہرہ کر کے، صالح اور متقی فرد کی صحبت اختیار کرے تو اس سے اس کی منفی عادتوں کی اصلاح کی صورت پیدا ہوتی جائے گی اور صحتمند عادتیں اس کے مزاج کا حصہ بنتی جائیں گی۔



## اسلامی تہذیب اور روحانیت کے بغیر
## ریگستان میں پانی کی تلاش میں مارا مارا پھرنا

خدا پرستی پر مبنی روحانیت اور پاکیزہ اسلامی تہذیب کے بغیر افراد کی مثال اس وسیع ریگستان کی طرح ہے، جہاں پانی کی تلاش میں افراد مارے مارے پھرتے رہیں۔ بالآخر وہ موت کا شکار ہو جائیں۔

کافی وقت پہلے کا واقعہ ہے کہ اخوان المسلمون کے ایک دانشور نے جو امریکہ میں رہتے تھے، انہوں نے اپنے گھر پر مغربی اہل علم کو دعوت دی اور ان کے ساتھ ایک نشست کا اہتمام کیا، اس موقعہ کو غنیت جان کر، انہوں نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، انہوں نے کہا کہ اسلام کے سیاسی نظام میں یہ یہ بنیادی خصوصیات موجود ہیں، اسلام کا عدالتی نظام ان نکات پر مبنی ہے، وغیرہ وغیرہ، نشست میں شریک امریکی اہل علم نے ان سے کہا کہ ہمارے پاس بہترین سیاسی وعدالتی نظام موجود ہے، ہم معاشی خوشحالی کے اعتبار سے بھی بہتر سے بہتر حالت میں ہیں، آپ کے پاس اگر ہمارے باطنی احساسات کی پاکیزگی کا پروگرام موجود ہو، جسے اہل مشرق کی روحانیت کہتے ہیں، اگر یہ روحانیت آپ کے پاس موجود ہو تو اس کا کچھ حصہ ہمیں عطا کریں، تاکہ ہماری باطنی زندگی میں جو زہریلے اثرات اور فساد برپا ہو گیا، اس سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو، یہ آپ کا ہم پر بہت بڑا احسان شمار ہوگا۔

اسی طرح کا واقعہ اشفاق احمد صاحب کا بھی ہے، جو ٹی وی میں پروگرام پیش کرتے تھے، وہ پاکستان آنے سے پہلے کنیڈا میں کالج میں استاد تھے، ان کا کہنا ہے کہ میں وہاں کبھی کبھار اساتذہ کے سامنے اسلام کی بات کرتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ بھائی، ہمیں اسلام کے روحانی نظام کے بارے میں بتائیں (اس لئے کہ ہمارا باطن ویران ہے، اس کی تسکین کی کوئی صورت بتائیں) لیکن اشفاق احمد صاحب

خود اسلام کی روحانیت سے ناشنا تھے، اس لئے وہ ان کو کیا بتاتے، ان کا کہنا ہے کہ ان کے اصرار نے مجھے مجبور کیا کہ میں پاکستان آکر پاکستان بھر کی خانقاہوں میں جاؤں اور خدا پرستی پر مبنی روحانیت سے بہرہ ور ہوں، الحمدللہ تلاش کے بعد ان کو ۱۳ سال تک ایک بزرگ کی صحبت حاصل ہوئی، جس سے ان کی زندگی میں انقلاب برپا ہوا، انہوں نے ٹی وی میں ڈراموں کے ذریعہ اسلام کی روحانیت اور اس کے تزکیہ نفس کے پیغام کو بہت مؤثر طور پر پیش کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جدید باصلاحیت اور ذہین افراد اگر تزکیہ نفس اور روحانی بالیدگی کی راہ اختیار کریں تو ہم اپنے معاشرے اور خود انسانیت کو اپنی پاکیزہ تہذیب سے بہت بہتر طور پر آشنا کر کے، ان کی زندگیوں کو مادیت کے زہر اور اس کے ہولناک فساد سے بچا سکتے ہیں۔



## اعتراضات کے ساتھ روحانیت کا سفر ممکن نہیں

دنیا کے سارے علوم سیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ متعلقہ علوم کے ماہر استاد پر اعتماد کیا جائے، ان کی تقلید اختیار کی جائے اور ان پر اعتراض کرنے کی روش سے بچا جائے، استاد کو ماہر تسلیم کرنے کے بعد اس کی تقلید اختیار کرنا، وہ جو سکھائے، اسے سیکھنا، یہ بنیادی اصول ہے علوم کے حصول کا، تقلید کے ذریعہ علوم سیکھنے کے بعد ایک مقام وہ آتا ہے، جہاں شاگرد خود استاد کے درجہ پر فائز ہوتا ہے اور وہ دوسروں میں علوم منتقل کرنے اور انہیں پڑھنے پڑھانے کے قابل بنتا ہے۔

جو شاگرد اس بنیادی اصول کی خلاف ورزی کرتا ہے اور استاد پر اعتراضات شروع کر دیتا ہے کہ پہلے مجھے یہ سمجھایا جائے کہ الف، الف کیوں ہے اور ب، اب کیوں ہے، یا فلاں جملہ اس طرح کیوں ہے؟ اس طرح کی نفسیات کے ساتھ کوئی بھی طالب علوم سیکھنے کی صلاحیت سے محروم رہ جاتا ہے۔

روحانی دنیا میں بھی استاد کی حیثیت مسلمہ رہے، استاد پر اعتماد کا ہونا اور وہ جو سبق دے، اس پر محنت کرنا ناگزیر ہے، اگر باطن کی وسیع دنیا کی اصلاح مطلوب ہے اور روحانی بالیدگی مقصود ہے اور شخصیت میں موجود تلاطم اور نشیب و فراز سے بچ کر ٹھہراؤ پیش نظر ہے تو اس کے لئے روحانی استاد پر اعتماد ہی نہیں، بلکہ اس سے محبت کا ہونا بھی ضروری ہے، روحانی استاد سے محبت سے سلیقہ زندگی اور آداب زندگی حاصل ہوتے ہیں اور زندگی میں فیوض و برکات آنا شروع ہو جاتے ہیں، روحانی بے قراری اور باطنی اضطراب ختم ہونا شروع ہوتا ہے اور حب جاہ حب مال اور خود نمائی جیسے منفی جذبات قابو میں آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح زندگی پاکیزگی کا نمونہ بن جاتی ہے۔

البتہ روحانی استاد کی صلاحیتوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ضروری ہے کہ وہ واقعی غیر معمولی روحانی صلاحیتوں کا حامل ہے یا جعلی اور نقلی صوفی و اہل تصوف ہے، حقیقی صوفی کی پہچان یہ ہے کہ اس کی زندگی شریعت سے پوری طرح ہمہ آہنگ ہو گی، اس کی شخصیت فقر، سادگی،

درویشی، زہد کا نمونہ ہوگی، اور وہ طالبوں کو ہر وقت دستیاب ہوگا، نیز وہ ہر طرح کے مفادات سے محفوظ ہوگا، ایسا روحانی استاد مل جائے تو اپنے آپ کو اس کے سپرد کر کے، نئی ایمانی اور پاکیزہ زندگی کے حصول کی راہ پر گامزن ہونا ضروری ہے، دوسری صورت میں نفس میں موجود مکر وفریب کی ہزارہا واردات کو سمجھنا اور ان سے بچنا دشوار تر عمل ہے۔

بدقسمتی سے جدید دور میں سب سے بڑی خوبی یہ سمجھی جاتی ہے کہ عقل کو تیز سے تیز تر کیا جائے اور سوالات، اشکالات اور اعتراضات کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت حاصل کی جائے، اس نفسیات کے ساتھ فرد روحانیت اور خودشناسی کی راہ پر ہرگز نہیں چل سکتا۔



# اصلاح نفس کی مختلف صورتیں

اصلاح نفس اور تزکیہ نفس کے مختلف طریقے ہیں، اگر اصلاح کی حقیقی طلب موجود ہو تو اصلاح اور نفس کی پاکیزگی کی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ قرآن سے تعلق مستحکم کیا جائے، قرآن کے معنیٰ اور اس کی روح کو طبیعت کا حصہ بنانے کی کوشش کی جائے، قرآن تو سراسر عبرت و موعظت کی کتاب ہے، اگر اسے پہلے مرحلہ پر دوسروں کو سنانے کی بجائے اپنی اصلاح اور اپنے نفس کی پاکیزگی کی خاطر پڑھا جائے تو قرآن اصلاح کے لئے کافی وشافی ہے، لیکن عرصہ تک قرآن سے تعلق کا یہ سلسلہ جاری رکھنا پڑے گا۔

تزکیہ کی دوسری صورت خشوع خضوع سے نماز پڑھنا اور اس سے تعلق قائم کرنا ہے، **ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر** (بے شک نماز بُرائی اور منکر سے روکتی ہے) عام اور رسمی نوعیت کی نماز سے تزکیہ کی صورت پیدا نہیں ہوگی، بلکہ نماز سے عشق کی حد تک تعلق پیدا ہو جائے کہ اس کے بغیر آرام ہی نہ آئے، بالخصوص تہجد اور کثرت نوافل سے تزکیہ کی صورت پیدا ہو سکتی ہے، نماز عبادت کی سب سے بہتر صورت ہے، نماز سے جب اللہ کا دھیان مستحکم ہو جائے تو ایسی نماز فرد کی زندگی کو بدلنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

تزکیہ کی تیسری صورت اخلاص کے ساتھ اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنا ہے، بالخصوص غریب اور مفلس افراد کی مالی معاونت کی صورت پیدا کرنا اور ان کی پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے کوشاں ہونا ہے اور ان کے درد و غم کو اپنا درد و غم سمجھکر ان کے حل کے لئے کوشش کرتے رہنا ہے اور اس کام کو زندگی کے اہداف میں شامل کرنا ہے۔

یہ تینوں طریقے ایسے ہیں جنہیں عرصہ تک کرتے رہنے سے اصلاح نفس کی بہتر صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

ذکر و فکر، صحبت صالحہ اور تصوف کی جس ضرورت پر ہم زور دیتے ہیں، تصوف کا حاصل بھی فرد کو قرآن، نماز اور خدمت خلق تک پہنچانا ہے، تصوف میں ذکر و فکر کے مجاہدوں کے نتیجہ میں

جب نفس کی سرکشی کا زور ٹوٹ جاتا ہے تو آخر میں طالب سے کہا جاتا ہے کہ وہ ذکر کا دورانیہ کم کرے اور اب اس کی مزید روحانی ترقی قرآن، نماز اور خدمت خلق کے کاموں سے ہو گی۔

اصلاح کی مذکورہ صورتیں ان افراد کے لئے ہیں، جو ذکر کی طرف آنے کے لئے تیار نہیں یا جو تصوف واہل تصوف سے طبعی مناسبت نہیں رکھتے، ذکر اور صحبت کے ذریعہ تزکیہ نفس کا جو طریقہ ہے، اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ فرد کو نفس کی غیر معمولی قوتوں اور اس کے مکر و فریب کی واردات کا بتدریج مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، اور وہ نفس کے نشیب و فراز اور مد و جزر سے گزر کر نفس مطمئنہ تک پہنچتا ہے، اس طرح اس میں اپنے نفس کے حوالے سے دوسروں کی بھی نفسی قوتوں اور نفسیات کو پوری طرح سمجھنے اور طلب رکھنے والے افراد کی اصلاح کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔



# ریاست کی اصلاح کی
## بہتر سے بہتر صورت

یہ بات تو واضح ہے کہ جب تک ہماری ریاست اور معاشرے میں تبدیلی برپا نہیں ہوتی، تب تک ہماری ملی اور قومی زندگی میں بہتری کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی اور ملی زندگی کی بہتری کے بغیر ہمارے اجتماعی نظام کی کوئی کل درست نہ ہو گی اور ہمارا ضمیر مردگی کا شکار ہو گا، نیز ہم فکری اور معاشی طور پر دوسروں کے غلام رہیں گے۔ اور ہماری بیشتر قوتیں ایک دوسروں کو نیچا دکھانے اور دوسروں پر بالادستی حاصل کرنے میں صرف ہوں گی اور ہماری اجتماعی زندگی کا کوئی بھی شعبہ انتشار اور خلفشار سے محفوظ نہ ہو گا۔

ریاست اور معاشرے کی اصلاح کی اس اہمیت کے باوجود ہمارا زور افراد کی اصلاح پر ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ افراد کی اصلاح ہی وہ عمل ہے، جس سے ریاست اور معاشرہ تبدیل ہوتا ہے اور افراد، ریاست اور معاشرہ پر اثر انداز ہوتے ہیں، افراد کی زندگیوں میں اصلاح نہ ہونے سے ہی ریاست اور معاشرہ فساد سے دوچار ہوتے ہیں، جس ملک میں ہر آفیسر، ہر سیاستدان، ہر سرمایہ دار اور ہر تاجر ذاتی مفادات کا اسیر ہو چکا ہو، اور اس سے بلند ہونے کے لئے کسی طرح تیار نہ ہو، کوئی قانون اور احتساب کی کوئی قوت اس ریاست اور معاشرے کو زوال سے نہیں بچا سکتی۔

افراد، ریاست کے لئے ستون کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر یہ ستون ہی کمزور ہو تو اس ستون پر جو عمارت قائم ہو گی، وہ دھرام سے نیچے آئے گی، ہمارا نظام تعلیم ریاست اور معاشرہ کو ہر سال ایسے لاکھوں افراد فراہم کرتا ہے، جس کا اس کے سوا کوئی مقصد زندگی نہیں ہوتا کہ عیش و عشرت کی جائے اور ریاست اور قوم کو ہر طرح سے لوٹا جائے، اس نفسیات اور مزاج کے حامل افراد سیاست میں آئیں یا انتظامیہ اور تجارت میں، اس سے ریاست اور معاشرے کی فلاح کی کوئی امید نہیں رکھی جا سکتی۔

اس لئے ضروری ہے کہ نچلی سطح پر افراد کی اصلاح سے کام شروع کیا جائے، افراد کے باطن میں تبدیلی کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دی جائے، اس طرح کے افراد جس شعبہ زندگی میں بھی آئیں گے، ان سے خیر ہی خیر برآمد ہوگا، ان کی اصلاح کی بنیاد مضبوط ہوگی تو وہ ملک وملت کو کسی صورت نقصان ہونے نہیں دیں گے۔



## اولاد کی اصلاح کی فکر مندی

موجودہ دور میں ہر دیندار فرد پریشان ہے کہ اپنی اولاد کی اصلاح کیسے ہو، اس لئے کہ اسکول اور کالج کا ماحول مادیت پر مشتمل ہے، بازار کا ماحول بھی فاسد ہے، دوستی کا ماحول بھی خراب ہے، موبائل نے بچوں کے ذہنوں کو مسموم کر دیا ہے۔

ان حالات میں دیندار افراد کی پریشانی قابل رحم ہے، ایک حدیث کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ دجال کے ظہور کے وقت گھر والے اپنی اولاد سے کہیں گے کہ باہر نہ جاؤ، اس لئے کہ باہر دجال آیا ہوا ہے، لیکن اولاد ان کی بات نہیں مانے گی اور باہر جائے گی، اس طرح وہ دجال کی نذر ہو جائے گی۔

یہ تو دجال کے ظہور کے وقت کی حالت ہوگی، لیکن اس وقت دجالی تہذیب کے عروج کے وقت بھی حالت اس سے کچھ ملتی جلتی ہے کہ بچوں کو اسکول اور کالج میں پڑھنے کے لئے بھیجا جاتا ہے تو وہ مادہ پرستی کے رجحانات کی حامل ہو جاتی ہے اور اپنی پاکیزہ تہذیب سے بے گانہ ہو جاتی ہے۔

اس صورتحال سے بچاؤ کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ بچوں کا اہل اللہ سے تعلق جوڑا جائے اور انہیں ان کے ذکر وفکر کے حلقوں میں شریک کیا جائے، اس سے دلوں میں اللہ کی محبت پیدا ہونا شروع ہوگی اور مادیت اور نفسی قوتوں کے اثرات زائل ہونا شروع ہوں گے۔

صحبت اہل اللہ کا راستہ اگرچہ دشوار گزار ہے، لیکن مادی اثرات سے بچاؤ کا سب سے مؤثر ترین راستہ ہے۔

یہ سوال بہت اہم ہے کہ آخر اہل اللہ کی صحبت میں یہ تاثیر کیوں ہے؟ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ وہ ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں سے دل کو دنیا کی محبت سے نکالنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہوتے ہیں، دوسرا سبب یہ ہے کہ ان کا دل اللہ کی محبت سے سرشار ہوتا ہے، ان کی صحبت سے یہ چیزیں منتقل ہو کر فرد کے دل کو غیر اللہ سے نکالنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

# انسانی شخصیت میں فساد کے جراثیم
## اور ذکر کے ذریعہ ان کے قلع قمع کی صورت

اہل اللہ کا کہنا ہے کہ انسانی شخصیت میں فساد کے اتنے طاقتور جراثیم موجود ہیں کہ یہ پوری شخصیت کو فساد زدہ بنادیتے ہیں، فرد کو فساد کے ان اثرات سے بچانے کے لئے ذکر کا اہتمام ناگزیر ہے، ذکر کے بغیر نفس کے حجابات، اس کی کدورتیں اور اس کی ظلمات دور نہیں ہوسکتی، اس لئے حقیقی اہل اللہ کے ہاں ذکر پر سب سے زیادہ زور ہے، جب تک کثرت ذکر کے نور کے ذریعہ نفس کے اندر فساد کی قوت کا بڑی حد تک قلع قمع نہیں ہوتا، تب تک اللہ سے قرب، اخلاص اور للھیت پیدا نہیں ہوسکتی۔

**ولاتطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه** (اور اس شخص کی بات نہ مان جس کا دل ہمارے ذکر سے غافل ہے اور وہ خواہش کا پیروکار ہے)۔

**فاعرض عن من تولیٰ عن ذكرنا ولم يُرد الى الحيوٰة الدنيا ذالك مبلغهم من العلم** (پس اس شخص سے منہ موڑ جس نے ہمارے ذکر سے اعراض کیا ہے (دوری اختیار کی ہے) اس کے علم کی حد یہی ہے) یعنی اس کا علم سکھاتا ہے کہ ذکر کوئی چیز نہیں ہے جو کچھ ہے وہ دنیا کا مستقبل ہے، کثرت ذکر کے نور کے بغیر چونکہ حرص وہوس، حب جاہ وحب مال اور خود نمائی وغیرہ کے بت مستحکم ہوتے ہیں، اس لئے فرد کا باطن فساد سے عبارت ہوتا ہے، اور اس کے اعمال للھیت سے خالی ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کثرت ذکر کے نور کے اہتمام کے بغیر چونکہ باطنی حجابات اور ظلمات مستحکم ہوتی ہیں، اس لئے اس صورت میں نفلی عبادات افادیت سے خالی ہوتی ہیں۔



قرآن نے ذکر پر بہت زیادہ زور دیا ہے **اقم الصلوٰة لذكرى** (نماز قائم کرو میرے ذکر کے لئے) **اذهب انت واخوك بآياتي ولاتنيا في ذكرى** (حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جارہا ہے کہ) تم اور تمہارے بھائی میری آیتیں لے کر فرعون کے پاس جاؤ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے ذکر سے غافل ہو)۔

حقیقت یہ ہے کہ صحبت اہل اللہ کے ساتھ ساتھ ذکر کا خصوصی اہتمام ہی فرد کو مہذب بنانے اور اس کے نفس کی پاکیزگی میں کردار ادا کرتا ہے۔

# وقت کا چیلنج

## دردمند افراد کے غور و فکر کے لئے

ہمارے ملک میں نوجوان نسل جس تیزی سے مادی نظریات اور مادی تہذیب کی حامل ہوتی جارہی ہے، وہ بہت زیادہ تشویشناک بات ہے، اس سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ قومی سطح پر ایسی طاقتور تو کیا، کمزور تحریک بھی موجود نہیں، جو مادہ پرست تحریک کی روک تھام کے لئے اپنے حصہ کا کردار ادا کرتی ہو، کچھ دردمند افراد ضرور ایسے ہیں، جو اپنی صلاحیتوں کے تحت کام کررہے ہیں، لیکن معاشرے میں ان کی بات سننے پر آمادگی نہیں، اور نہ ہی ان کے ساتھ تعاون کی کوئی صورت پیدا ہورہی ہے۔

وقت کا چیلنج بہت سنگین ہے، وہ چیلنج یہ ہے کہ ہمارے لاکھوں سے زیادہ افراد اپنا دل مادی نظریات اور مادی تہذیب کو دے چکے ہیں، وہ مغرب کو آئیڈیل سمجھتے ہیں، اپنی پاکیزہ تہذیب کے سلسلے میں وہ احساس کمتری کا شکار ہیں، وہ اپنی اور اپنے مستقبل کی بہتری مغرب واہل مغرب کی تقلید میں سمجھتے ہیں، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا ان کی پشت پناہی کا ''کارنامہ'' سرانجام دے رہی ہے، ہمارے دینی اور مذہبی طبقات کے پاس وقت کے اس سنگین چیلنج کو سمجھنے کے لئے نہ تو وقت ہے، نہ ہی وہ اس کی کوئی خاص ضرورت محسوس کررہے ہیں۔

ترکی جو کسی دور میں ملحدانہ نظریات کا حامل تھا، ترکی کا معاشرہ تیزی سے اسلام سے ہمہ آہنگ ہوتا جارہا ہے، جب کہ ہمارا معاشرہ اس کے بالکل برعکس اتاترک کے ترکی کے دور کی طرف جارہا ہے، ہمارے دینی مدارس ایسے اسکالر اور دانشور پیدا کرنے سے قاصر ہیں، جو وقت کے چیلنج کو سمجھکر جدید علمی اسلوب میں اس چیلنج کے علمی مقابلے کے لئے کام کرتے ہوں۔



ان حالات میں اہل تصوف کا دائرہ کار بھی بہت محدود ہوگیا ہے، ضرورت ہے کہ حساس اور دردمند افراد صورتحال کو تبدیل کرنے کے لئے اپنے حصہ کا کردار ادا کریں، دوسری صورت میں نئی نسلوں کو اپنی پاکیزہ تہذیب پر قائم رکھنے میں ہمیں ناکامی سے دوچار ہونا پڑے گا، جو سب سے بڑا المیہ ہوگا، اس سے بڑھکر کوئی دوسرا المیہ ہو نہیں سکتا۔

# اللہ کی محبت کے فوائد و ثمرات
## ایک نظر میں

اللہ کی محبت و معرفت کی دنیا مشکل ضرور ہے، لیکن اس کے فوائد و ثمرات اور زندگی پر پڑنے والے اس کے مثبت اثرات اتنے زیادہ اور حلاوت آمیز ہیں کہ اگر فرد وافراد کو اس کی شد بد حاصل ہو جائے تو وہ اس محبت ٹوٹ پڑیں اور محبت سے خالی اپنی پچھلی زندگی پر حسرت کرنے لگیں۔

ایک سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اس کا ہو جاتا ہے، یہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں، جس کا اللہ ہو جائے اس کی خوش بختی کا کیا ٹھکانہ ہے۔

دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ فرد خود اعتمادی سے سرشار ہو جاتا ہے اور ہر طرح کے ذہنی دباؤ اور نفسیاتی نوعیت کے مسائل سے محفوظ ہو جاتا ہے، تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کے انوار حسن سے اس کو کچھ اجزاء ملنے لگتے ہیں، جس سے مادی حسن سے اس کی وارفتگی کی حالت ختم ہو جاتی ہے، چوتھا فائدہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر اہم موڑ پر اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہو جاتی ہے، اس کے رزق میں، اس کے وقت میں، اس کے علم میں برکت ہو جاتی ہے، پانچواں فائدہ یہ ہے کہ فرد اخلاق حسنہ کا حامل ہو جاتا ہے اور اللہ کی مخلوق سے اسے محبت پیدا ہونے لگتی ہے۔

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ دنیا کے مستقبل کے حوالے سے اس کی فکر مندی باقی نہیں رہتی، اللہ کی محبت اور اللہ کا ذکر اسے یہ نکتہ سمجھاتا ہے کہ جب میرا مولا میرے ساتھ ہے تو مجھے کس چیز کی پرواہ ہے۔



ساتواں فائدہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے میں آسانی پیدا ہونے لگتی ہے، آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں منفی سوچ کے بجائے مثبت سوچ غالب ہونے لگتی ہے۔

ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دولت اور دنیا کی دہشت، اس کا رعب، خوف اور مستقبل کی فکر مندی باقی نہیں رہتی اور بندہ کی ضروریات کے لئے اللہ کافی ہوتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے بہت سارے فوائد ہیں ، جو اللہ کی محبت میں داخل ہونے کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔

اللہ کی محبت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے احساس پاکیزہ ہو جاتا ہے، احساس کی ناپاکیزگی کی وجہ سے ہی وہ سارے مسائل پیدا ہوتے ہیں، جس سے فرد کی شخصیت زیر وزبر ہوتی رہتی ہے۔

اللہ کی محبت کی راہ کے ان فوائد کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو محبت کی راہ میں حائل ساری دشواریاں اور مشکلات آسان ہو سکتی ہیں۔

# نوجوان نسل دوراہے پر

## اور اس سے نکلنے کی صورت

ہماری آج کی نسلیں دوراہے پر کھڑی ہیں، ایک طرف تو بے روزگاری کی بڑھتی ہوئی لہر ہے، جس نے ان کے معاشی مسئلہ کو دشوار سے دشوار تر بنادیا ہے، دوسری طرف طاقتور الیکٹرانک میڈیا ہے جو ان کے جنسی جذبات اور حب مال کے جذبات کو بڑھکا کر ان کی شخصیت میں تلاطم پیدا کر رہا ہے، تیسری طرف علمی، فکری اور نظریاتی طور پر ان کی صحتمند خطوط پر رہنمائی کا کوئی قابل ذکر انتظام موجود نہیں، چوتھی طرف سیکولرزم کے طاقتور نظریات ہیں، جو ان کے ذہنوں کو متاثر کر رہے ہیں۔

ان ساری چیزوں نے مل ملا کر ہماری جدید نسلوں کو ذہنی، نفسیاتی اور وجدانی طور پر بحران سے دوچار کر دیا ہے اور ایسے دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے، جہاں ان کے دلوں میں مادیت اور روحانیت کے درمیان شدید کشمکش برپا ہے اور روحانی قوتوں پر مادیت کے تقاضے غالب ہو گئے ہیں۔

انسان چونکہ مادی نوعیت کے جسم اور نفس کے ساتھ روح سے بھی عبارت ہے، بلکہ انسانی شخصیت کو چلانے اور اسے زندہ رکھنے میں اصل کردار روح ہی کا ہے، روح کے رخصت ہو جانے سے انسان مردہ لاش بن جاتا ہے اور سارا جسمانی ڈھانچہ بیکارِ محض ہو جاتا ہے، اس سے روح اور روحانی قوتوں کی فیصلہ کن اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

نوجوان نسل کے مادیت و روحانیت کے اس دوراہے پر کھڑے ہونے سے بچاؤ کی واحد صورت یہ ہے کہ مادی قوتوں پر روحانی قوتوں کو غالب کرنے کی راہ اختیار کی جائے، اس سے ان کی شخصیت پر پڑنے والا سارا مادی دباؤ ختم ہو سکتا ہے اور اس دوراہے سے نکل کر ان کی شخصیت کی صحتمند بنیادوں پر تعمیر کا کام ہو سکتا ہے، اس طرح وہ اپنی ذات کے ساتھ ساتھ ملک وملت اور ریاست کے لئے باعث خیر و برکت بن سکتے ہیں۔

لیکن اس بحران سے نکلنے کے لئے ہمت، حوصلہ اور قوت فیصلہ کی ضرورت ہے، یہ قوت فیصلہ انہیں پاکیزہ سیرت و کردار کے حامل افراد کی صحبت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، اللہ کے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ فرد دوست کے دین پر ہوتا ہے، دوستی اور صحبت کے رخ کو بدلنے سے ہی ہماری نوجوان نسل اس دوراہے سے نکل سکتی ہے، اس کا سب سے مؤثر طریقہ یہی ہے۔



یقیناً اس وقت درویش منش روحانی استادوں کا فقدان پیدا ہو گیا ہے اور جو موجود ہیں وہ پس منظر میں چلے گئے ہیں، سبب یہ ہے کہ مارکیٹ میں جن چیزوں کی طلب اور ضرورت نہیں ہوتی، وہ چیزیں مارکیٹ سے غائب ہو جاتی ہیں، اگرچہ وہ موجود ہوتی ہیں لیکن تلاش بسیار کے بعد ملتی ہیں۔

کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جو طلب کے نتیجہ میں نہ ملتی ہو، آپ اپنے اندر روحانیت کی سچی طلب پیدا کریں تو آپ دیکھیں گے کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ روحانی استاد کو آپ اپنے سامنے موجود پائیں گے، اس طرح آپ رفتہ رفتہ روحانیت کے ایسے خزینہ سے بہرہ ور ہوں گے کہ زندگی بھر کے سارے دکھ اور غم کافور ہو جائیں گے۔

# نوجوان نسل

## اپنی کمزوریوں پر کس طرح قابو پالے؟

نوجوان نسل کی کچھ کمزوریاں ایسی ہیں، جس نے اس کی زندگیوں کو تلخیوں سے بھر دیا ہے، وہ یہ ہیں: ہر مسئلہ کو عزت اور وقار کا مسئلہ بنانا، ضد کا ہونا، بزرگوں کی باتوں کا بُرا ماننا، رد عمل کی نفسیات کا ہونا، مزاج کا سخت ہونا، بڑے بڑے منصوبے بنانا، لیکن عمل کی صلاحیت کے فقدان کا ہونا، جوٹھی شان ومان کا ہونا، آرائش اور راحت کی جدید چیزوں سے محبت کا ہونا، دوستی کے تعلقات کو نبھانے کی صلاحیت کا نہ ہونا، جلد اشتعال اور غصہ میں آنا، معاملات کے سارے پہلوؤں پر غور وفکر کرکے صحیح لائین کا اختیار نہ ہونا، بزرگوں کے ادب وآداب کے سلیقہ سے آشنا نہ ہونا، قوت فیصلہ کی صلاحیت کا نہ ہونا، توجہ کا منتشر ہونا اور کسی بھی ایک مرکزی نکتہ پر توجہ کا نہ ہونا، گھر والوں کی نصیحت کی باتوں پر نالاں ہونا، ہر وقت غصہ کی حالت کا غالب ہونا، مزاج کے خلاف باتوں کو برداشت کرنے کی استعداد کا نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

نوجوان نسل کو جو ماحول ملا ہے، وہ مادیت کا مسموم ماحول ہے، اس ماحول سے ہی ان کا یہ مزاج بنا ہے، نوجوان نسل کی اس حالت کو دیکھکر رونا آتا ہے کہ اس طرح کے حالات میں وہ بہتر، خوشگوار اور کامیاب زندگی کیسے گزار سکیں گے، پچھلے دنوں ایک معمولی بات پر وکلا اور ڈاکٹروں کے درمیاں تکرار ہوا، جس سے کئی اموات واقع ہوئیں۔

نوجوان نسل کو ہمت اور حوصلہ سے کام لے کر، اپنے اس مزاج کو بدلنے کی ضرورت ہے، اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ وہ روزانہ کم از کم دس پندرہ منٹ کے لئے اپنے اندر میں غوطہ زنی کرکے، اپنی اصلیت اور اپنی حقیقت پر غور کریں، انسانی شخصیت کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ وہ مٹی کی تخلیق ہے اور اس



کا جسمانی نظام مر کر مٹی کا حصہ بن جائے گا، مٹی کے حامل انسان کی عزت اور شان ومان کیا ہو سکتی ہے، انہیں اس پہلو پر غور کرنا چاہے، اس پر غور وفکر سے مزاج میں عاجزی اور خاکساری پیدا ہو گی۔

انسان کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس میں دل اور روح کی جوہری صلاحیتیں موجود ہیں، دل اور روح ہر وقت محبوب حقیقی سے وصال کے لئے مضطرب رہتے ہیں، اپنے اندر میں ڈوبتے رہنے سے دل اور روح کو ان کی اصل غذا ملے گی، جس سے سکینت پیدا ہو گی اور مزاج میں ٹھہراؤ آئے گا۔

# نفسیات کی درستگی
## کے عمل کی بہتر صورت

جدید نسلیں ذہنی اور نفسیاتی طور پر بہت سارے مسائل کا شکار ہیں، ان مسائل کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ انہیں مثبت اور صحتمند ماحول میسر نہیں، انہیں جو ماحول میسر ہے، وہ منفی اور خالص مادی نوعیت کا ماحول ہے، مادی نوعیت کے اس ماحول سے ان کے دل ودماغ اور نفسیات میں ظلمات اور تاریکی کے اثرات منتقل ہو رہے ہیں، جس سے دل، روح، ذہن اور نفسیات میں فساد برپا ہونے لگتا ہے، وسوسوں کا ہجوم، چڑچڑاپن، زندگی سے بیزاری، احساس تنہائی، اور مایوسی جیسی حالتیں پیدا ہو رہی ہیں، اس طرح ان کی نفسیات میں زہر سرایت کر جاتا ہے، نوجوان نسل کی یہ حالت ایسی ہے، جس پر خون کے آنسوں ہی بہائے جا سکتے ہیں۔

اس صورتحال سے بچاؤ کی سب سے بہتر اور مؤثر صورت یہ ہے کہ صحتمند سوچ کے حامل افراد کی صحبت اختیار کی جائے، تاکہ مزاج، نفسیات اور ذہن میں مثبت اور پاکیزہ خیالات واحساسات کی لہروں کی منتقلی کا عمل شروع ہو سکے اور ظلمات کی جگہ پاکیزہ احساسات داخل ہو سکیں، صحبت، انسانی شخصیت پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔

یہ نکتہ سمجھنا از حد ضروری ہے کہ ہمیں صبح سے لے کر رات تک جن افراد سے بھی واسطہ پڑتا ہے، وہ عام طور حب مال اور حب جاہ کے جذبات سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور ان پر فاسد جذبات غالب ہوتے ہیں، اس طرح کے افراد طاقتور منفی شعائیں رکھتے ہیں، ہمارے نہ چاہنے کے باوجود یہ منفی شعائیں ہمارے دلوں میں منتقل کرتے رہتے ہیں، جس سے ہمارے خیالات، احساسات اور جذبات میں ناپاکیزگی کے اجزاء غالب ہونے لگتے ہیں، بالکل اس بے پردہ حسین عورت کی طرح، جس کی طرف دیکھتے رہنے سے ذہن خلجان میں مبتلا ہو جاتا ہے۔



منفی خیالات کی ان لہروں کی روک تھام اور اپنی شخصیت میں پاکیزہ خیالات کی لہروں کو داخل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ طاقتور پاکیزہ خیالات کے حامل افراد کی صحبت اختیار کی جائے، اس سے دل دماغ، روح، نفسیات اور مزاج میں پاکیزہ احساسات اور طاقتور صحتمند شعاؤں کی منتقلی کا عمل شروع ہوتا ہے۔ جس سے شخصیت صحتمند سوچ کی حامل ہو جاتی ہے اور دماغی دباؤ ختم ہو جاتا ہے اور نفسیات کی درستگی کی صورت پیدا ہوتی ہے اور شخصیت میں ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے۔

# روحانی مسرت کی زندگی پر سومادی دنیاؤں کا قربان ہونا

ہماری نوجوان نسل مادیت کے ہمہ گیر طوفان کی زد میں ہے، ایسا طوفان جو ہر وقت نفسی جذبات کو ابھارتا اور مشتعل کرتا رہتا ہے، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مغرب سے مادیت پرستی کی جو طوفانی لہر اٹھی ہے، اس نے ہماری نوجوان نسل کو زیروزبر کر دیا ہے اور اپنی پاکیزہ تہذیب سے دستکش کر کے، مادیت اور مادی زندگی کو نصب العین کی حیثیت دینے پر ابھارا ہے۔

ان حالات میں ضرورت ہے کہ نوجوان نسل کے لئے صحیح ذہنی اور فکری خطوط اور صحیح تربیت کے نقوش متعین کئے جائیں، اور انہیں دعوت دی جائے کہ اگر وہ مادیت کی بے رحم طوفانی لہروں سے بچکر ذہنی، نفسیاتی اور اعصابی بیماریوں سے تحفظ چاہتے ہیں اور روحانی اور وجدانی طور پر استحکام چاہتے ہیں تو انہیں خداپرستی پر مبنی روحانیت کی راہ اختیار کرنی ہوگی، جس میں ان کی دنیا و آخرت کی زندگی کی سلامتی اور بہتری کی ضمانت ہے۔

مادی زندگی کو نصب العین بنا کر اپنی ساری ذہنی و عملی صلاحیتیں اور توانائیاں اس میں خرچ کرنا، یہ دراصل اپنے آپ کو نفس پرستی کی قوتوں کے حوالے کرنا ہے، جس کی سزا فکری انتشار، ذہنی دباؤ، حرص وہوس کے بتوں کی پرستش اور ساری انسانی شخصیت کو مریض بنانے کے علاوہ دوسری کوئی نہیں ہوسکتی، نفس کی وقتی لذتوں کی قیمت پر دل اور روح جیسی جوہری قوتوں کی بربادی کا فیصلہ نادانی ہے، نادانی۔

مغرب کی تقلید میں مادیت پرستی کی راہ پر گامزن ہونا اور مادی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھنا، اس کی جو سزا اہل مغرب کو بھگتنا پڑ رہی ہے کہ ہر محلہ میں نفسیاتی ماہروں کی اسپتالیں قائم ہوگئی ہیں، ہماری نوجوان نسل کو اس سزا کے لئے تیار ہونا ہوگا۔

ہماری پاکیزہ تہذیب میں صدیوں سے دل اور روح کو مستحکم کر کے، ساری انسانی شخصیت کو متوازن بنانے اور زندگی کو حقیقی مسرت وحلاوت سے سرشار کرنے کا انتظام رہا ہے، وجدانی اور روحانی حلاوت کی یہ زندگی ایسی ہے، جس پر سومادی زندگیاں قربان کی جاسکتی ہیں اور مادیت کے نشہ سے آسانی سے بچا جاسکتا ہے۔

خداپرستی پر مبنی روحانیت کا ہمارا یہ سلسلہ اسلامی تہذیب ہی کا حصہ ہے، اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔



# زندگی کے رخ کو بہتر سمت میں موڑنے کی ضرورت

موجودہ دور ایسا ہے، جس میں نفسانی قوتیں روحانی قوتوں پر پوری طرح غالب آگئی ہیں، جس کی وجہ سے حساسیت پیدا ہوگئی ہے اور احساس کی نزاکت کی وجہ سے چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ بھی فرد پر بجلی بن کر گرتا ہے اور فرد اضطراب کے انگاروں پر لیٹنے لگتا ہے، احساس کی اسی نزاکت سے ذہنی، نفسیاتی، اعصابی اور وجدانی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور معاشرہ میں ٹوٹ پھوٹ اور فساد برپا ہوتا ہے۔

چونکہ فضا میں مادہ پرستی کا زہر موجود ہے، اس لئے نفسی قوتیں بے قابو ہو رہی ہیں، نفسی قوتوں کے بے قابو ہونے کی وجہ سے مزاج کے زیروزبر ہونے اور احساس کے ناپاکیزہ ہونے کے سنگین مسئلہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اس صورتحال کو بدلنے کی ایک ہی صورت ہے کہ نفسی قوتوں پر روحانی قوتوں کو غالب کرنے کی کوشش ہو۔ دوسری صورت میں علم، ذہانت اور دولت ومنصب کے باوجود فرد کے احساسات میں رنج، غم، دکھ، اذیت، اشتعال اور بے یقینی کے اجزاء غالب ہوں گے اور زندگی ہر طرح کے فساد سے عبارت ہو جائے گی۔

نفسی قوتوں کو مفتوح بنانے اور روحانی قوتوں کو بیدار کرنے کا عمل دشوار ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں، اس کے لئے صحبت اور دوستی کے ماحول کو بدلنے کی ضرورت ہے، صحبت کے بہتر اور پاکیزہ ماحول سے از خود مثبت شعائیں منتقل ہونا شروع ہو جائیں گی، جس سے منفی عادتوں کی جگہ بہتر عادتیں پیدا ہوتی جائیں گی اور روحانیت کی راہ پر گامزن ہونے میں ہمت وحوصلہ پیدا ہوتا جائے گا۔

یاد رکھیں کہ نفسی قوتوں کے غلبہ کی وجہ سے دنیا و آخرت دونوں کے خسارہ کا سودہ ہے، دنیا میں خوف وہراس، بے یقینی کی فضا، ذہنی ونفسیاتی بیماریاں اور حرص وہوس کے جذبات بے قابو ہوں گے تو آخرت میں اللہ کے شدید عتاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ دونوں جہانوں کے خسارہ کے مراقبہ سے بھی زندگی کا رخ بہتر سمت میں بدلنے میں مدد مل سکتی ہے۔

# نفس کی قوت کو سمجھنے اور اسے مہذب بنانے کی ضرورت

اگر علم، ذہانت اور عقل کے غیر معمولی استعمال کے باوجود فرد پر اشتعال، ضد، دوسروں کی تحقیر، اپنی رائے کو ہر صورت میں دوسروں پر مسلط کرنے، بحث مباحثہ کرتے رہنے، چڑچڑاپن، سکون سے محرومی، عدم برداشت اور انانیت جیسے جذبات غالب ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہیں کہ فرد کا دل خالی ہے اور وہ باطن کی وسیع دنیا سے آشنا نہیں ہے اور اس کا علم اسے علمی برتری کی راہ پر گامزن کرنے کا باعث بن رہا ہے، اس صورت میں فرد اپنی ذات اور معاشرے کو خیر و بھلائی سے بہرہ ور کرنے کی بجائے اس میں افتراق پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے گا، اور نہ چاہتے ہوئے بھی فرد اس راہ پر گامزن ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا۔

علم، ذہانت اور عقلی صلاحیتیں اگرچہ اللہ کا انعام ہیں، لیکن یہ نعمتیں جب دل اور روح کی صلاحیتوں کو جلا دینے کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوں تو اس صورت میں شخصیت پر نفسی قوتیں حاوی ہو جاتی ہیں، جو علم اور عقل کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر کے، فرد کو حق اور حقیقت کی گہرائیوں سے ناآشنا کر دیتی ہیں اور دل اور روحانیت کے صاحبوں سے دور کر دیتی ہیں اور باطن کی وسیع دنیا کے حوالے سے باتیں سننے سے طبیعت کو مکدر کر دیتی ہیں۔

خوشی، مسرت، حلاوت، نرمی، رواداری، محبت، عاجزی، عاجزانہ روش، سب کے ساتھ احساسِ اپنائیت، ردعمل کی نفسیات سے بچاؤ، دوسروں کی الٹی سیدھی باتوں کو برداشت کرنا وغیرہ یہ ساری خصوصیات ایسی ہیں، جو علمی و ذہنی برتری اور ضد کی نفسیات کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ فرد اپنی ہر طرح کی برتری سے دستبردار ہو کر، اپنی شخصیت میں موجود فرعون نفس کو سمجھنے اور اس کی اصلاح کے کام کو اولین ترجیح دے، علم اور ذہانت اس کے بعد ہی کارگر اور مفید ثابت ہو سکتی ہے، ایسا نہ کرنے کی سزا یہ ہے کہ فرد کو ساری عمر ضد، بحث و مباحثہ، اہل



اللہ پر تنقید اور علمی گھتیاں سلجھانے کی راہ پر لگا دیا جاتا ہے، فرعون نفس محض جاننے، باتیں سننے یا باتیں سنانے سے مہذب نہیں ہوتا، اسے ذکر و فکر کے مجاہدوں میں لانے کی ضرورت لاحق ہے اور اہل اللہ کی صحبت کی بھی۔ اس نکتہ کو سمجھنے میں جتنی تاخیر ہو گی، نفسی قوتیں اسی حساب سے مستحکم سے مستحکم تر ہوتی جائیں گی، سنبھلنے اور بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔

# ہمارے زوال کا سب سے اہم اور بنیادی سبب

ہم اگر اپنے زوال کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ زوال اپنی انفرادی واجتماعی زندگی سے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کی روح کو نکالنے اور دنیادارانہ روش کے مستحکم ہونے ہی کا نتیجہ ہے، اس کی وجہ سے کردار کی رونق ختم ہوگئی ہے، دوسروں کے لئے ایثار قربانی، محبت وشفقت کے جذبات مدھم ہوگئے ہیں، نیز اسلامی تعلیمات کے ساتھ وابستگی رسمی نوعیت کی رہ گئی ہے، مادیت پر مبنی مغربی تہذیب کے اثرات سے ہماری اجتماعی زندگی اس قدر بھر گئی ہے کہ ہماری معاشرت، ہماری سیاست اور ہمارے طرز معیشت وغیرہ میں مغرب کی نقالی افتخار کا موجب بن گئی ہے، دوسروں سے بے نیاز ہو کر خود غرضانہ روش ہمارا وطیرہ بن گئی ہے۔

پھر تنگ نظری، تعصب، امت پن پر جماعتی اور گروہی وابستگیوں کو ترجیح دینے کی نفسیات کا ہونا، یہی نہیں بلکہ افراد معاشرہ کا روحانی خلا اتنا شدید ہے کہ معاشرہ ہر بُرائی کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور معاشرہ کا ہر ذہین اور باصلاحیت فرد پیسوں کی خاطر ملت اور اپنی پاکیزہ تہذیب کو پامال کرنے کے لئے تیار ہے، غرض کہ فساد ہے جو ہر طرف سے پھوٹ پڑا ہے۔

یہ ساری صورتحال اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ معاشرہ میں کسی بھی سطح پر پاکیزہ اخلاقی تربیت اور تزکیہ کا نظام باقی نہ رہا ہے، اور نہ ہی اس کا احساس موجود رہا ہے، تزکیہ کے بغیر نفس کی خونخوار قوتیں اندر سے اٹھکر معاشرہ اور ریاست پر اس طرح حملہ آور ہوتی ہیں کہ انسانیت پامال ہو جاتی ہے، پوری انسانی تاریخ دراصل نفسانیت اور روحانیت، مادیت اور پاکیزہ اخلاقی قوتوں کے درمیان کشمکش سے عبارت رہی ہے۔

انسانی تاریخ میں اکثر نفس پرستوں کا غلبہ رہا ہے، اس غلبہ کا سبب تہذیب نفس اور تزکیہ نفس سے انکار کی روش ہی رہی ہے، جب کسی معاشرہ کے افراد کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں



معاشرہ، افراد کی انانیتوں کے ٹکراؤ سے محفوظ ہو جاتا ہے، دولت پرستی کی وجہ سے انسانیت کی پامالی کا عمل رک جاتا ہے، اپنی بڑائی اور دوسروں کی تحقیر کے میلانات قابو میں رہتے ہیں، مادیت پرستی کی بجائے، اللہ پرستی کی فضا غالب ہونے لگتی ہے، اللہ کے لئے ایثار وقربانی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے، اپنے کچھ بھی نہ ہونے اور دوسروں کے بہت کچھ ہونے کا احساس غالب ہونے لگتا ہے، دولت کا چند افراد یا دو چار طبقوں کی طرف ارتکاز کا عمل رک جاتا ہے، انسانیت کی دنیا وآخرت کی فکر مندی اور اس کے لئے اپنے حصہ کا ہر ممکن حد تک کردار ادا کرنے کے لئے از خود آمادگی پیدا ہو جاتی ہے، دوسروں کی عزت وتکریم اور ان سے شفقت سے پیش آنے کی نفسیات جاگ جاتی ہے، تعصب، تنگ نظری، گروہ بندی، جماعتی عصبیت، سنگ دلی اور قساوت قلبی جیسی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں، محض اللہ کے لئے جینے اور مرنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ افراد کے لئے معاشرہ اور ریاست کو نقصان پہنچانے کا تصور بھی سوہان روح ہونے لگتا ہے۔

تزکیہ کی یہ برکتیں ایسی ہیں جو عہد رسالت اور صحابہ کرام کے دور میں پورے کمال کے ساتھ ظاہر ہو چکی ہیں۔

ہم اگر چاہتے ہیں کہ ہمہ گیر زوال سے محفوظ ہوں اور ہماری اجتماعی ملی زندگی میں خیر کا ظہور ہو اور ہمارے ہر طبقہ میں ایک دوسرے کے لئے محبت، رواداری اور قوت برداشت پیدا ہو اور معاشرہ میں مثالی وحدت کی فضا پیدا ہو اور بُرائیوں سے نفرت پیدا ہو تو اس کے لئے ہمیں اپنی ساری ترجیحات کو تبدیل کر کے، تزکیہ کے کام کو اولین ترجیح دینا ہوگی، یقینا علم بھی ضروری ہے، کاروبار بھی اہمیت کا حامل ہے معاشی استحکام بھی ضروری ہے۔

لیکن تزکیہ ان ساری چیزوں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس کام کو فیصلہ کن اہمیت دینی چاہئے، تزکیہ کو اپنے نظام تعلیم کا حصہ بنانا، پاکیزہ روحانی اور اخلاقی نصب العین کو افراد کے مزاج اور

نفسیات میں شامل کرنا، اگر یہ کام شروع ہو جائے تو ہماری قومی اور ملی زندگی ہر طرح کے فساد سے بچ سکتی ہے اور ہم صحابہ کرام کے تتبع میں دوسروں کے لئے خیر کا منبع بن سکتے ہیں۔

اس مضمون کا مضمون کے عنوان سے تعلق یہ ہے کہ ہمارے زوال کا بنیادی سبب افراد معاشرہ کے نفس کے تزکیہ کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ہی معاشرہ میں نفس کی خونخوار قوتوں میں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے، جس سے ہر طرح کا فساد رونما ہوتا ہے۔

زوال کے اس بنیادی سبب کو دور کر کے ہی ہم اجتماعی حیثیت سے ترقی کر کے فوز و فلاح سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

چونکہ اکابر ان ملت اس نکتہ سے کما حقہ آشنا نہیں ہیں، اس لئے اس موضوع کے سارے پہلوؤں پر تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ فی الوقت ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔



# تزکیہ نفس کی راہ میں اصل رکاوٹ

ذکر و فکر کے مجاہدوں کی بھٹی سے گزرے بغیر خواہشات نفس پامال نہیں ہوتی اور تزکیہ نفس کے مراحل طے نہیں ہوتے، اس صورت میں نفس طاقتور صورت میں موجود ہوتا ہے اور طاقتور نفس کے ہوتے ہوئے اخلاق حسنہ اور پاکیزہ اعمال کا صدور مشکل ہی نہیں دشوار تر ہوتا ہے۔

جب تک نفس طاقتور ہوتا ہے، صبر، تحمل، بُردباری، حکمت و فراست، تقویٰ و خشیت جیسی صفات پیدا نہیں ہوتی۔

ذکر و فکر کے مجاہدوں کی بھٹی سے گزرنے کی راہ میں علم و ذہانت کی زیادتی اور علمی زعم سخت رکاوٹ بنتا ہے، جو افراد کو قیل و قال کا غازی بنا کر بے عمل بنا دیتا ہے اور ذکر سے غافل کر کے زیادہ سے زیادہ رسمی اعمال پر اکتفا کرنے کے مزاج کا حامل بنا دیتا ہے اور ذکر سے غفلت کے مزاج اور اس کی عادت کو مستحکم کر دیتا ہے۔

ذکر کے انوار اور اس کے اثرات کو علمی اور عقلی پیمانوں سے جانچنے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ فرد کا باطن ویران ہو جاتا ہے اور اس کی شخصیت اندر سے کھوکھلی ہو جاتی ہے، اور فرد و افراد کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ زندگی بھر خوبصورت اور بہتر الفاظ سے کھیلتے رہتے ہیں اور علم کے دریا بہا دیتے ہیں، لیکن قلبی سکون سے محروم رہتے ہیں اور ضد، انانیت، خود رائی اور خود نمائی جیسے بتوں سے دستبردار ہونا ان کے لئے دشوار تر ہوتا ہے۔

بچاؤ کی تدبیر یہ ہے کہ فرد عقل سے زیادہ دل کی فیصلہ کن اہمیت کو تسلیم کرے اور عقل کو عقل کل سمجھنے کی بجائے دل کی انوار الٰہی کے اخذ کی صلاحیت کو سمجھنے اور دل کی صلاحیتوں کو صاحبان دل کی صحبت کے ذریعہ بیدار کرنے کی کوشش کرے۔

تزکیہ نفس کے بغیر علمی افراد کا علم کے نام پر معاشرے میں غیر ضروری مسائل کو ہوا دینے اور خود رائی اور خود نمائی سے نہیں بچا جا سکتا، فساد کی جڑ فرد و افراد کی شخصیت میں موجود داخلی بتوں کی موجودگی ہے، یہ داخلی بت ہی ہیں جو تزکیہ نفس کی راہ میں شدید حائل ہیں، ان سے صبر آزما مجاہدوں اور جہاد کے بغیر تزکیہ کا راستہ نہیں ہو سکتا۔

# خدمت دین کا کام

## اور جدید دور میں اس کی اہمیت

## دعوت فکر

خدمت دین کا کام ایسا ہے، جو اہم دینی فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو دعا دی ہے، جو اللہ کے رسول کی بات کو دوسروں تک پہنچائے، فرمایا، اللہ اسے شاداب رکھے جو میری بات سنے اور وہ دوسروں تک پہنچائے، خطبہ حجتہ الوداع کے موقعہ پر آپ نے سوا لاکھ صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ گواہ رہنا کہ میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچایا۔

اسلامی دعوت کا پھیلاؤ اور فروغ دراصل خدمت دین کے کام سے ہی وابستہ ہے۔

خدمت دین کی مختلف صورتیں ہیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ علم دین حاصل کرکے، دوسروں تک پہنچایا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تحریر تقریر اور اشاعت کے ذریعہ لوگوں تک دین کی بنیادی باتیں پہنچائی جائیں، تیسری صورت یہ ہے کہ اگر فرد میں علمی، تحریری اور تقریری صلاحیت موجود نہیں تو جو افراد خدمت دین اور اشاعت دین کا کام کر رہے ہیں اور اس کے لئے اپنی زندگیاں صرف کر رہے ہیں، ایسے داعیوں کے ساتھ معاونت کی جائے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ تزکیہ نفس اور اصلاح نفس کے حوالے سے اہل اللہ کی طرف سے معاشرہ میں جو پروگرام ہوتے ہیں، افراد کو ان پروگراموں میں شرکت کی دعوت دی جائے، تاکہ لوگوں کے اخلاق واعمال کی درستگی کی صورت پیدا ہو اور اخلاق کی خرابی کی وجہ سے معاشرہ کے بڑھتے ہوئے بگاڑ کی روک تھام کی صورت پیدا ہو۔

اس وقت خدمت دین کے کام سے غفلت انتہا پر ہے، اس سلسلے میں نیک افراد بھی اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے یا اپنی ذمہ داریوں کے احساس سے غافل ہیں، اس غفلت کا نتیجہ ہے کہ معاشرہ میں بُرائی کا سیلاب ہے جو بڑھتا ہی جارہا ہے، جو داعی ہمت وحوصلہ سے کام کر رہے ہیں، ان کے کام کو آگے بڑھانے کی بجائے ان کو ان کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے، دین کی مظلومیت کے دور میں یہ



بے حسی اللہ کے ہاں سخت پکڑ کا موجب بن سکتی ہے، ایسے دعوتی ادارے جو عرصہ سے خدمت دین اور اشاعت دین کا کام کر رہے ہیں، وہ مالی اعتبار سے زبون حالی کا شکار ہیں، اور اپنے کام کو مختصر اور محدود کرنے پر مجبور ہیں، جب کہ معاشرہ میں لاکھوں خوشحال دیندار افراد موجود ہیں، جن میں سے ہر فرد اس قابل ہے کہ وہ دعوتی، اشاعتی اور علمی ادارہ قائم کرکے اسے مستحکم کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے، لیکن دنیا کے غلبہ، غفلت اور بے حسی کی وجہ سے وہ اس کام کو کام سمجھنے کے لئے ہی تیار نہیں۔ عالمی سطح کی باطن قوت بُرائی کو فروغ دینے کے لئے بے پناہ مالی وسائل خرچ کر رہی ہے، اور پوری منصوبہ بندی سے مسلم امت کی نئی نسل کے ذہن اور اخلاق کو بگاڑ رہی ہے، جب کہ اس سلسلہ میں امت میں انفرادی سطح پر تو کوششیں ہو رہی ہیں، لیکن اجتماعی طور پر اس طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے، بالخصوص جدید طبقات میں ان کی ذہنی اور علمی سطح سے ہمہ آہنگ دعوتی کام کا سخت فقدان ہے۔

اصل دعوتی کام تو حکیمانہ صلاحیتوں کا حامل داعی ہی کر سکتا ہے، جو اس کام کی نزاکتوں اور تقاضوں کو سمجھتا ہے، لیکن اس کام میں دامے درمے سخنے معاونت کرنا، یہ تو ہر فرد کر سکتا ہے، اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری کے عدم احساس اور بے حسی کی وجہ سے ہماری نسلیں اپنی پاکیزہ تہذیب سے بہت دور ہوتی جارہی ہے۔

ہمارا ایک دور وہ تھا کہ دینی علوم کی تحصیل اور اسلام کے دعوتی وعلمی کاموں کے لئے خوشحال خاندانوں کے افراد اپنی اولاد کو مخصوص کرتے تھے، لیکن اب جو دور آیا ہے، وہ عام طور پر دنیا بنانے اور دنیا کی زندگی کو راحت سے گزارنے اور دین کی فکر مندی ودردمندی سے خالی دور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری دنیا وآخرت دونوں کی فوز وفلاح کا سارا تعلق دین سے ہے، اگر ملت کا قابل ذکر طبقہ دین کو ترجیح دے تو وہ دیکھے گا کہ دنیا ذلیل ہو کر اس کے سامنے آئے گی، حمیت دین کا تقاضہ ہے کہ ہم وقت کے چیلنج کو سمجھیں اور باطل قوتوں نے اسلام کو مٹانے اور ہماری نسلوں کو اپنی تہذیب سے ہمہ آہنگ بنانے، دوسرے الفاظ میں یرغمال بنانے کے لئے جو منصوبہ بندی کی ہے، اسے ناکام بنانے کے لئے ہم دعوت کے ہتھیار کو اختیار کریں اور اس کے لئے باصلاحیت افراد کی خدمات حاصل کرکے، ان کو اس کام کے لئے فارغ کریں یا معاشرے میں جو باصلاحیت افراد یہ کام

کر رہے ہیں، ہم ان کے دست وبازو بنیں انہیں تنہا نہ چھوڑیں، یہ بے حسی ہے جو ہمیں سعادت دارین سے محروم کر سکتی ہے۔

خدمت دین کا کام بڑے خیر وبرکت کا کام ہے، جو بھی اس کام کا حصہ بنے گا یا داعی کا دست وبازو بنے گا، وہ محسوس کرے گا کہ اس کے بگڑے ہوئے کام بنتے چلے جارہے ہیں، لیکن اس کے لئے ایک حد تک اخلاص ضروری ہے، البتہ داعی کے لئے علم، اخلاص، حکمت، بصیرت اور استقامت ضروری ہے، بالخصوص موجودہ دور میں خدمت دین کے کام کے لئے وقت کے چیلنج کو سمجھنا بھی ضروری ہے، الیکٹرانک میڈیا، اشاعت اور صحافت کے محاذ پر خدمت دین کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، اس لئے کہ عالمی کفر اسی محاذ کو استعمال کرتے ہوئے ہماری نسلوں کے کروڑہا افراد کے ذہن کو مسموم کر رہا ہے اور وہ اسے یرغمال بنا کر انہیں اپنی پاکیزہ تہذیب سے دور کر رہا ہے۔



# برداشت سے کام لینے کی ضرورت

موجودہ دور میں مادیت پرستی کی طوفانی لہر نے جو قیامت ڈھائی ہے، وہ یہ ہے کہ لگ بھگ ہر فرد اشتعال اور غصہ سے بے قابو ہو رہا ہے، نرمی اور محبت سے بات کرنے کا سلیقہ لگ بھگ ختم ہو چکا ہے۔ غصہ اور اشتعال نے نفسیات میں فساد برپا کر دیا ہے، گھریلو مسائل، خاندانی ومعاشرتی مسائل، کاروباری ودفتری مسائل اور دوست واحباب کی بے وفائی کے مسائل نے مزاج میں رنجیدگی، دکھ، اور اذیت کو اس طرح شامل کر لیا ہے کہ اس غصہ کا سارا اظہار اپنے ماتحت افراد پر ہونے لگا ہے، اس کی وجہ سے اہل خانہ کی زندگی اجیرن بن گئی ہے، اس لئے کہ مردوں کے غصہ کا اکثر نشانہ عورتیں اور بچے ہی ہوتے ہیں، اس طرح گھروں کا ماحول شدید اضطراب کے ماحول میں تبدیل ہو گیا ہے، دوستی کے حلقے شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں، اور احساسات کی دنیا جہنمی انگاروں کے مثل ہو چکی ہے۔

مزاج کے خلاف ہر بات پر غصہ ہونا اور طیش میں آکر انتقام لینا یا غلط سلط فیصلے کرنا یا پیچ وتاب کھاتے رہنا، یہ جواں مردوں کا کام ہرگز نہیں۔

روزمرہ زندگی میں ہمیں اپنے طرز عمل پر غور وفکر کر کے، اس میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے، غصہ اور اشتعال سے مسائل ومشکلات حل ہونے کی بجائے ان میں اضافہ ہی ہوتا ہے، بلکہ اکثر اس کے سنگین نتائج ہی ظاہر ہوتے ہیں، مار پیٹ، قتل اور طلاق جیسے سنگین نتائج غصہ اور اشتعال کی نفسیات ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

غصہ اور اشتعال کے بظاہر چاہے اسباب کچھ ہی ہوں، لیکن غصہ کی یہ آگ دراصل شخصیت میں ایک بنیادی خلل اور بنیادی خلا کی نشاندہی کرتی ہے، وہ بنیادی خلا یہ ہے کہ انسانی شخصیت فطری طور پر لازوال حسن کے مشاہدہ کی بھوکی ہے، جب اسے لازوال حسن کے یہ اجزا نہیں ملتے تو انسانی شخصیت میں بے قراری، اضطراب، رنجیدگی اور اشتعال کے اجزا غالب ہونے لگتے ہیں، جس سے

گھر ولی، خاندانی اور معاشرتی زندگی فساد سے عبارت ہو جاتی ہے، غصہ کا شیطان ہو یا حرص وہوس اور حسد کے بت ہوں، ان سب کا علاج یہ ہے کہ فرد روزانہ کچھ دیر کے لئے اندر میں ڈوب کر تفکر سے کام لے، اس سے باطنی قوتیں بیدار ہو کر، صبر، تحمل اور بردباری پیدا کرنے کا باعث ثابت ہوں گی اور رفتہ رفتہ ہر طرح کے باطنی امراض سے بچاؤ کی صورت بھی پیدا ہوتی جائے گی۔

ساتھ ساتھ نماز کی پابندی ضروری ہے اور صبح وشام کی مسنون دعاؤں کی پابندی بھی ضروری ہے، اس سے انشاءاللہ مزاج میں ٹھہراؤ پیدا ہو گا۔



# نرمی کے ذریعہ دوسروں کی دلجوئی کی ضرورت

انسانی شخصیت میں نکھار اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب وہ نرمی، معافی، درگذری اور دوسروں کے قصور معاف کرنے کی صلاحیت وصفت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

نرمی میں وہ بیشتر صفات آجاتی ہیں، جو انسانیت کے شایان شان ہیں، یا یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ انسانیت کا اصل سرمایہ نرمی کی صفت کا ہونا ہے، نرمی اور دوسروں کے قصور معاف کرنا اور اللہ کے بندوں سے محض اللہ کے لئے محبت کرنا، یہ آسان کام نہیں ہے، سب سے دشوار گزار کام ہے۔

ہمارا تجربہ ومشاہدہ ہے کہ ہمیں روزمرہ زندگی میں تعلقات اور معاملات میں نرمی، معافی اور درگزری سے کام لینے کی ضرورت درپیش ہوتی ہے، لیکن ان قیمتی مواقع کو ہم غصہ کے شیطان کے ذریعہ ضایع کر دیتے ہیں، بلکہ افراد کی دل آزاری کر کے ان کے دلوں کو زخمی کر دیتے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر غصہ کی کوئی شکل ہوتی تو وہ سب سے بدتر شکل ہوتی، اگر نرمی کی شکل ہوتی تو وہ سب سے بہتر شکل ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا، جو شخص نرمی سے محروم ہوا وہ سارے خیر سے محروم ہوا۔

بدقسمتی سے ہم میں سے اکثر افراد کی حالت یہ ہے کہ وہ نرمی کی صفت سے محروم ہونے کی وجہ سے سارے خیر سے محروم رہ جاتے ہیں، بدخوئی، سختی اور تشدد سے معاشرہ میں ٹوٹ پھوٹ، انتشار اور فساد پھیلتا ہے اور ملت کی وحدت کا شیرازہ بکھرتا ہے، اہل علم اور اہل دانش اور دین کے خادموں کو نرمی سے زیادہ کام لینے کی ضرورت ہے، اور ان میں اللہ کے بندوں سے محبت کا وافر ذخیرہ ہونا چاہئے۔

قرآن نے ایک بنیادی اصول بیان فرمایا ہے کہ نرمی، معافی اور درگزری کی صفت ایسی ہے جس سے داعی کے گرد لوگ جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور اس صفت سے محرومی کی وجہ سے جمع شدہ لوگ بھی بکھرنے لگتے ہیں۔

قرآن نے یہ نکتہ بھی بیان فرمایا ہے کہ نرمی، معافی اور بہتر اخلاق میں یہ خصوصیت موجود ہے کہ اس سے سخت سے سخت مخالف فرد بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس سلسلہ میں یہاں قرآن کی دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

**فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب لن فذوا من حولك۔** (آل عمران آیت نمبر ۱۵۹)

یہ اللہ کا فضل ہے کہ تم لوگوں کے لئے نرم ہوا گر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

**ادفع بالتی ھی احسن فاذالذی بینک وبینه عداوة کانه ولی حمیم۔** (حم سجدہ)

بُرائی کا بہت بہتر (رویے) سے دو پھر تم دیکھو گے کہ جس شخص میں اور تم سے دشمنی تھی وہ گویا تمہارا گرم جوش دوست ہے) نرمی نہ صرف داعی کی ضرورت ہے بلکہ نرمی ہر فرد کی ایسی ناگزیر ضرورت ہے کہ اس کے بغیر فرد کی معاشرتی اور اجتماعی زندگی زہر سے عبارت ہو جاتی ہے، اور وہ اپنے اہل وعیال، عزیز واقارب، دوست واحباب اور کاروباری ساتھیوں کے لئے رحمت کی بجائے زحمت بن جاتا ہے اور اس کے متعلقین اس کے رویے اور اس کی زبان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنے لگتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ نرمی کی صفت کیسے پیدا ہو؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ وہ بہتر اور پاکیزہ تربیت کے نظام سے ہی پیدا ہو سکتی ہے، اگر بہتر تربیتی نظام موجود نہیں ہے تو چونکہ یہ ہر فرد کا اپنا ذاتی مسئلہ ہے اس لئے فرد کو ذاتی طور پر اس صفت کے بھرپور اجزاء سے بہرہ ور ہونا چاہئے، ذاتی طور پر کوشش سے ہماری مراد یہ ہے کہ فرد کو کوشش کر کے متقی اور ذاکر افراد کی صحبت اختیار کرنی چاہئے، بہتر



صحبت اور ذکر کی برکت سے آہستہ آہستہ بدخوئی اور اشتعال سے نجات حاصل ہو کر نرمی کی صفت پیدا ہوتی جائے گی۔

یاد رکھیں کہ چونکہ روزمرہ زندگی میں متعدد بار نرمی کی ضرورت پڑتی ہے اس صفت سے بے بہری کی وجہ سے آپ کی زندگی زہر سے عبارت ہو سکتی ہے، اور آپ کا ماحول آپ کے لئے آخری حد تک ناسازگار ہو سکتا ہے۔

# خاموشی اور تفکر کی اہمیت

جب فرد خاموش ہو کر دل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دل کو اپنے جذباتِ حسن کی تسکین کا موقعہ ملتا ہے، اس طرح آہستہ آہستہ دل نفسی قوتوں کی یرغمالی سے آزاد ہو کر محبوب حقیقی سے قریب ہونے لگتا ہے۔

خاموشی یا تفکر کی صلاحیت بہت بڑا انعام اور عطیہ ہے جو محبوب حقیقی کی طرف سے اپنے بندہ کو عطا ہوتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ اچھی بات کہے یا خاموش ہو ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کا حسن یہ ہے کہ فرد لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔

ہم روزانہ سینکڑوں نہیں، ہزاروں الفاظ بولتے رہتے ہیں، اگر غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ ہماری ۹۵ فیصد سے زیادہ گفتگو غیر ضروری ہوتی ہے۔

جو بات جو دو جملوں میں کہی جا سکتی ہے، ہم اسے دسیوں، بیسوں جملوں میں بمشکل ادا کر پاتے ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ زبان زیادہ سے زیادہ گفتگو کے ذریعہ لذت چاہتی ہے۔

ہماری گفتگو میں گلا غیبت، اپنی بڑائی، اور خود نمائی جیسے اجزا بھی شامل ہوتے ہیں، یہ چیزیں نفس کو سب سے زیادہ مرغوب ہیں۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو جسم کا ہر عضو زبان سے کہتا ہے کہ ہماری حالت پر رحم کرنا، ایسا نہ ہو کہ تمہاری چرب زبانی کی وجہ سے ہم اللہ کی سزا اور عتاب کا شکار ہوں۔

زبان عام طور پر نفس کی آلہ کار ہوتی ہے، نفس جب طاقتور ہوتا ہے تو وہ زبان کو غیر ضروری باتوں کی طرف راغب کرتا ہے، پھر غیر ضروری باتوں سے آگے بڑھکر گلا غیبت، دوسری کی تحقیر اور اپنی بڑائی تک نوبت پہنچتی ہے۔



زبان کو زبان درازی سے روکنا اور اسے خاموش رکھنا بہت زیادہ دشوار بات ہے۔

وہ افراد جو خاموشی اور تفکر کی اہمیت سے آشنا ہیں، ان کا کہنا ہے کہ تفکر سے دل کے ساز محبوب حقیقی کے لئے بجنے لگتے ہیں، اور دل کو محبوب کی طرف سے انوار حسن کے وہ اجزا ملنے لگتے ہیں، جس سے زبان گنگ ہونے لگتی ہے اور دل چونکہ انسانی شخصیت کا مرکز اور اس کا جوہر ہے، اس لئے دل کی اس حلاوت کے اجزاء زبان، عقل، نفسیات وغیرہ سب کو ملنے لگتے ہیں۔

زبان کے فتنہ سے بچنے کی اس سے زیادہ کوئی صورت موجود نہیں ہے کہ فرد خاموش رہ کر تفکر سے کام لے اور دل کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہوتا رہے۔

# خاموشی اور تفکر

## ایک نظر میں

خاموشی دل کو کدورت اور بہت سارے گناہوں سے بچانے کا ذریعہ ہے، خاموشی کا مطلب گفتگو کو بالکل چھوڑ دینا نہیں ہے، بلکہ غیر ضروری اور لایعنی باتوں سے پرہیز کرنا ہے۔ جب خاموشی کی استعداد میں اضافہ ہوتا ہے تو اس سے تفکر کی صلاحیت پیدا ہوتی اور ابھرتی ہے، تفکر دراصل دل کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کرکے دل کی قوت سے نفسی قوتوں کا مقابلہ کرنے اور ان قوتوں کو رفتہ رفتہ پامال کرنے کا موجب ہے، باطن کی مثال سمندر کی سی ہے، جہاں موتی اور جواہر بھی موجود ہوتے ہیں، تفکر کے ذریعہ جب باطن کی وسیع دنیا کا سیر وسفر ہوتا ہے تو باطن میں موجود مگر مچھوں سے مقابلہ کرکے، موتی وجواہر تک رسائی ہونے لگتی ہے، یہ موتی اور جواہر ایسے قیمتی ہوتے ہیں کہ ساری دنیا کی دولت خرچ کرکے بھی انہیں خریدا نہیں جاسکتا، تفکر کے ذریعہ باطن کی دنیا میں موجود منفی قوتوں پر فتحیابی سے ہی پاکیزہ اخلاقی زندگی، اوصاف حمیدہ، انسانیت کے شایان شان کردار وجود میں آتا ہے اور عملی زندگی اسلامی تعلیمات کی روح سے عبارت ہو جاتی ہے۔

جس تفکر سے ہماری اسلامی تہذیب کا قیمتی سرمایہ وابستہ ہو، اس تفکر کے ارتقائی مراحل طے کرکے قلب کو قلب سلیم بنانا آسان کام نہیں ہے، اس کے لئے جان توڑ مجاہدوں سے کام لینا پڑتا ہے، اس لئے کہ تفکر کے ذریعہ جب فرد وافراد اللہ کی طرف آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو نفسی اور شیطانی قوتیں پوری شدت سے حملہ آور ہو کر، فرد کا راستہ روکنے کے لئے کوشاں ہوتی ہیں اور ان کی یہ کوشش برسوں تک جاری رہتی ہیں۔ صاحب ہمت اور صاحب حوصلہ افراد ہی ان قوتوں کا مقابلہ کرکے، ان کو شکست دے کر نفس مطمئنہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

الحاصل یہ کہ خاموشی سے رفتہ رفتہ تفکر کی صلاحیت ابھرتی ہے (جس سے فکر صحتمندانہ بنیادوں پر استوار ہونے لگتا ہے) عرصہ تک تفکر سے کام لیتے رہنے کے نتیجہ میں دل کی صلاحیتیں بیدار ہوتی اور ارتقاپذیر ہونے لگتی ہیں، دل کے سلیم (قلب سلیم) ہونے سے بندہ اور محبوب حقیقی



کے درمیاں کی دیوار دور ہونے لگتی ہے، اس طرح تفکر، فرد کو محبوب حقیقی تک پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے۔

یہاں ہم نے جس تفکر کا ذکر کیا ہے، تصوف کی اصطلاح میں اسے مراقبہ کہتے ہیں۔ مراقبہ بنیادی طور پر دل کا عمل ہے، لیکن اس میں ایک حد تک عقل کا استعمال بھی ہوتا ہے کہ عقل کو ایک مرکزی نکتہ پر جمانے کی مشقیں ہوتی ہیں، ان مشقوں سے دل سے انوار نکل کر عقل کو بھی فیضیاب کرتی رہتی ہیں۔ اس طرح فکری انتشار میں رفتہ رفتہ کمی واقع ہونے لگتی ہے۔

آخر میں اس سلسلہ میں قرآن کی آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

**ونحن اقرب الیه من حبل الورید** (ہم تم سے تمہاری رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں)۔

**وفی انفسکم افلا تبصرون** (ہماری نشانیاں تمہارے اندر موجود ہیں آخر تم دیکھتے کیوں نہیں ہو)۔

**وھو معکم اینما کنتم** (تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے)۔

**الم یعلم بأن اللہ یریٰ** (کیا انسان نہیں جانتا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے)۔

# تکبر اور بڑے پن کی نفسیات

## اور اس سے بچاؤ کی صورت

انسانی شخصیت کا ایک بڑا روگ اپنے آپ کو بڑا، افضل اور بہتر سمجھنے کا روگ ہے، اپنی بڑائی اور احساس برتری کی موجودگی کا لازمی نتیجہ دوسروں کی تحقیر ہے، یعنی تکبر فرد کو دوسری کی تحقیر تک پہنچا دیتا ہے۔

اہل تصوف کا کہنا ہے کہ راہ محبت میں چلنے والے طالبوں اور سالکوں کے اندر سے سب سے آخر میں جا کر جو چیز نکلتی ہے، وہ تکبر، بڑائی، شیخی اور اپنے افضل ہونے کا روگ ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے اندر ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ فرد وافراد اپنی ساری زندگی بڑے پن اور برتری کی نفسیات میں گزار لیتے ہیں، اور بڑے پن کے مالیخولیا سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے وہ تزکیہ کی طرف آنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ یہ حقیقت ہے کہ بڑے پن اور برتری کے جراثیم کے ہوتے ہوئے اللہ دل کی گہرائیوں میں سما نہیں سکتا۔

فرد پر جب بڑے پن کی نفسیات غالب ہوتی ہے تو اسے اپنے علاوہ دوسرے افراد بالخصوص اپنی معاصر شخصیتوں میں بُرائیاں، خامیاں اور کوتاہیاں ہی نظر آتی ہیں، معاصر شخصیتوں کے بارے میں فرد کی حس اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ ان کی معمولی کوتاہیاں بھی بڑی نظر آنے لگتی ہیں، اس کی مجلس میں جب بھی معاصر شخصیتوں کا ذکر ہوتا ہے تو اس ذکر سے ان کے دل میں ایک طرح سے گویا آگ لگ سی جاتی ہے، اس لئے کہ احساس برتری کی وجہ سے وہ معاصر شخصیتوں کی تعریف سننے کا روادار نہیں ہوتا، دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی بزرگ کے مختلف خلیفوں میں کھینچا تانی کا عمل شروع ہو جاتا ہے،



اور ایک دوسرے کی بزرگی کی نفی کی روش موجود ہوتی ہے، اس کا سبب یہی ہے کہ بڑے پن اور احساس برتری کے فنائیت کے عمل سے پہلے ہی حسن ظن کی بنا پر خلافت کا منصب پر عطا ہوا ہے۔

کبر اور برتری جتنا بڑا روگ ہے، اس سے چھٹکارہ پانے کے لئے مجاہدوں کی مقدار بھی اتنی ہی بڑی چاہیے، اس کے لئے دو چار سال کے مجاہدے ایسے ہیں جیسے اونٹ کے منہ میں دانہ ڈال جائے، اس سے اونٹ کی سیری کہاں ہو سکتی ہے۔

بڑائی اور شیخوخیت کے مرض کی سنگین نوعیت کو حقیقی اہل اللہ ہی سمجھتے ہیں، جو اپنے حلقہ سے وابستہ افراد کو غیر معمولی مجاہدوں کی بھٹی سے گزارے بغیر خلافت کے منصب پر فائز نہیں کرتے۔

تکبر، حب جاہ اور بڑے پن کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ریاست اور معاشرہ کے ہر طبقہ سے وابستہ افراد ایک دوسرے سے حالت تصادم میں رہتے ہیں، اہل سیاست کا ایک دوسرے سے تصادم، اہل علم کی ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوششیں، جماعتوں کی ایک دوسرے کو گرانے کی کاوشیں، ان سب کی تہہ میں اصل جذبہ احساس برتری اور بڑا پن ہی ہوتا ہے۔

تکبر اور احساس برتری کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اللہ اور بندہ کے درمیاں حجابات پیدا ہو جاتے ہیں، اللہ سے قربت کے مقامات کا طے ہونا تو دور کی بات ہے، اس لئے مولانا رومی نے فرمایا ہے کہ جب تک تمہارے اندر تکبر کا مالیخولیا موجود ہے، اس وقت تک روتے رہو اور رونے سے بس نہ کرو۔

قرآن میں ہے **وبشر المخبتین** خوشخبری ہے عاجزی اختیار کرنے والوں کے لئے عاجزی کا یہ مقام مستحکم ہو جائے اس کے لئے نفسی خواہشوں سے بڑی حد تک دستبردار ہو کر اسے مکمل طور پر اللہ ورسول کی اطاعت میں دینا پڑتا ہے۔ نفسی قوتیں آسانی سے مطیع نہیں ہوتی، اس کے لئے غیر معمولی مجاہدوں کی بھٹی سے گزرنا پڑتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ تکبر اور بڑے پن کے بت کے ٹوٹ پھوٹ کے لئے ذکر وفکر کے جتنے بھی مجاہدے کرنے پڑیں کم ہیں۔

# تعلقات کو نبھانے

## اور خوشگوار بنانے کی صورت

مادی تہذیب کے غلبہ کا ایک بُرا تحفہ یہ ہے کہ ذہنی دباؤ بڑھ گیا ہے اور افراد کے ایک دوسرے سے تعلقات میں نہ صرف سرد مہری آئی ہے، بلکہ تعلقات کشیدہ سے کشیدہ تر ہوتے جارہے ہیں، اس طرح معاشرہ جو صدیوں سے بھائی چارہ، وحدت اور خیر سگالی کا منظر پیش کرتا رہا ہے، وہ اب پہلی مرتبہ مادیت کے ہمہ گیر مسموم اثرات کی زد میں آکر، تعلقات کی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ خاندانوں کے باہمی جھگڑے، گھروں میں لگ بھگ روزانہ تلخیوں کا پیدا ہونا اور چھوٹے چھوٹے مسائل پر شوہر وبیوی کے درمیاں تلخ جملوں کا استعمال اور ایک دوسرے کے لئے کدروت کا ہونا اور اس میں اضافہ ہوتے رہنا، دوست واحباب کا ایک دوسرے سے تعلقات نبھانے کی صلاحیت سے محروم ہونا کاروباری اور دفتری ساتھیوں کی الٹی سیدھی باتوں پر تلخیوں کا ہونا، افراد کی حاسدانہ روش سے آزردہ خاطر ہونا، الغرض یہ کہ ہماری معاشرتی زندگی المناک صورتحال سے دوچار ہوگئی ہے، بدقسمتی سے معاشرہ میں صلح جو اور دردمند افراد کا بھی فقدان پیدا ہوگیا ہے، جو تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے میں اپنے حصہ کا بھرپور ادا کرسکیں اور معاشرتی تعلقات کو بہتر رخ دے سکیں۔

ہماری نظر میں تعلقات کی خرابی کا ایک بڑا سبب احساس کی نزاکت ہے، جب نفس کے جذبات مشتعل ہوتے ہیں تو اس سے اشتعال پیدا ہوتا ہے، اشتعال سے زبان بے قابو ہونے لگتی ہے۔ زبان کے جو بے قابو ہونے سے دل زخمی ہوتے ہیں اور تعلقات کشیدہ ہوجاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ معاشرتی تعلقات کی خرابی میں نفس کے جذبات واحساسات کی شدت اور زبان درازی کو زیادہ عمل دخل حاصل ہے۔

نفس کے احساسات کو قابو میں رکھنے کے لئے ایک تو ضرورت اس بات کی ہے کہ روح کو متحرک کیا جائے اور روحانی صلاحیتوں کو بیدار کیا جائے، اس سے نفس کے احساسات میں پاکیزگی پیدا ہوگی، نفس کی شرارتوں کا علاج روح کو جلا دینے اور روحانی صلاحیتوں سے کام لینے میں ہی مضمر ہے۔

زبان کو قابو میں رکھنے میں بھی روح اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ تاہم اس کا الگ سے علاج یہ ہے کہ زیادہ گفتگو سے پرہیز کیا جائے، اس لئے کہ زیادہ گفتگو سے سو جملوں میں کچھ نہ کچھ جملے ضرور ایسے ادا ہوتے ہیں، جس سے دلوں میں رنجش، کدورت اور ناراضگی پیدا ہوتی ہے، یہ ناراضگی آہستہ آہستہ تعلقات کے بگاڑ کا سبب بن جاتی ہے۔ ویسے بھی گفتگو کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو، زیادہ گفتگو سے دل خالی ہو جاتا ہے اور اس میں کدورت اور سیاہی پیدا ہونے لگتی ہے، اس لئے اہل اللہ کی مجلسوں میں ہمیشہ خاموشی کا غلبہ رہا ہے، قرآن کی آیت ہے **ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید** (سورۃ ق آیت نمبر ۱۸) (انسان) زبان سے جو بات نکالتا ہے اسے محفوظ کرنے کے لئے (فرشتہ تیار ہوتا ہے)۔

تیسری چیز معاشی سرگرمیوں میں بہت زیادہ الجھاؤ اور انہماک سے بچنا ہے، اس لئے کہ اس سے باطن ویران ہو جاتا ہے، اس میں نفس کو قابو پانے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔ شخصیت میں فطری طور پر عبادت کا جو داعیہ اور تقاضا رکھا گیا ہے، اس داعیہ کی تسکین نہ ہونے کی وجہ سے شخصیت غیر متوازن اور ٹھہراؤ سے محروم ہو جاتی ہے اور شخصیت میں توازن کے لئے ضروری ہے کہ فرد کے پاس عبادت کے لئے وقت موجود ہو، تاکہ دل اور روح کی محبوب کے لئے تشنگی دور ہو سکے اور شخصیت پر نفس اور نفسی قوتوں کو غالب اور حاوی ہونے کا موقعہ نہ مل سکے۔

اس وقت معاشرتی تعلقات میں خوشگواری کا مسئلہ ہماری ملی زندگی کے بڑے مسائل میں شامل ہے، اس مسئلہ کا بہتر اور متوازن حل نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا معاشرہ مغربی معاشرہ کی طرح نفساتی مریضوں کے معاشرہ میں تبدیل ہو سکتا ہے۔

یہ سطور لکھی جا رہی تھیں تو اخبار میں نظروں سے خبر گزری کہ کراچی میں ایک خاتون نے اپنی تین بیٹیوں کو زہر پلا کر خودکشی کر لی، اس طرح کی خبریں آئے دن اخبارات میں آتی رہتی ہیں، پڑھ کر دل صدمہ سے بھر جاتا ہے۔



# مسلم دنیا کی حالت زار

## اور از سر نو ابھرنے کی صورت

مسلم دنیا آبادی، زرخیز زمین، زیر زمین ذخائر اور وسائل کے اعتبار سے غیر مسلم دنیا سے کہیں آگے ہے، ساتھ ساتھ وہ توحید پر یقین بھی رکھتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود حالت یہ ہے کہ آج دنیا میں اس کی کوئی آواز نہیں اور کفر کی طاقتیں جہاں چاہتی ہیں، مسلمانوں پر حملہ آور ہوتی ہیں اور ان کا قتل عام کر دیتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں، وہ حکمرانوں کو تبدیل کر کے اپنے آلہ کار حکمران مسلط کر دیتی ہیں، اور مختلف طریقوں سے ان کے وسائل پر قبضہ کر لیتی ہیں اور مسلمان ممالک کو اپنے در پر جھکا کر ان کو بھیک مانگنے (یعنی قرضہ حاصل کرنے پر) مجبور کر دیتی ہیں۔

یہ صورتحال آج سے نہیں، لگ بھگ ڈیڑھ دو سو سال سے ہے۔ مسلمانوں کی یہ حالت زار ایسی ہے جو دنیا میں ان کی جگ ہنسائی کا ذریعہ بھی ہے تو ساتھ ساتھ خون کے آنسو بہانے کا موجب بھی۔

اس کے اسباب کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ ساری صورتحال حمیت دین کے فقدان، دنیا سے محبت، کفر کی طاقتوں سے مرعوبیت، عسکری نوعیت کی تیاری سے بے نیازی، قومی و ملی وسائل پر مسلمان حکمرانوں اور بادشاہوں کا ذاتی تسلط، اظہار رائے پر پابندی، حکمرانوں کی طرف سے اپنے آپ کو عقل کل سمجھنے کی روش، عیش و عشرت کی زندگی میں غلطاں ہونا، امت کے درد، اس کی فکر مندی اور اس کے احساس کا خاتمہ، فکری اور علمی جمود، اور مغربی تہذیب سے دلبستگی جیسے اسباب کارفرما ہیں۔

قرآن کی آیت ہے۔

**یعلمون ظاھرا من الحیوا ۃ الدنیا وھم عن الاخرۃ ھم غافلون۔** (الروم آیت ۷) (وہ دنیا کی ظاہری زندگی کو جانتے ہیں اور وہ آخرت کی زندگی سے غافل ہیں)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دور آئے گا جب کافر قومیں مسلمانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی، جس طرح بھوکا دستر خوان پر ٹوٹ پڑتا ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ اس وقت مسلمان تعداد میں کم ہوں گے کیا، آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ وہ بڑی تعداد میں ہوں گے، آپ نے فرمایا، اس کا سبب وھن کی بیماری ہے، صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ وھن سے مراد کیا ہے، آپ نے فرمایا، دنیا کی محبت اور موت سے کراہت، دنیا کی محبت کے ساتھ ساتھ اگر دولت کے انبار بھی موجود ہوں اور بادشاہت اور حکمرانی کے بے لاگ اختیارات بھی ہوں تو دولت جو تباہی لاتی ہے اس کا منظر ہمارے سامنے ہے۔

مسلمان ممالک میں اردگان کے ترکی، طالبان کے افغانستان اور ملیشیا سے کچھ امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں کہ وہ مستحکم ہو کر مشاہد مسلم دنیا کو بیدار کرنے اور ان کو نشاۃ ثانیہ کی راہ پر لگا سکیں اور مؤثر کردار ادا کر سکیں۔

قوموں کی سطح پر زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لئے اگرچہ وسائل بھی از حد ضروری ہیں، لیکن وسائل سے بھی زیادہ جو چیز اہم ہے، وہ اللہ کی ذات پر یقین، اسلام سے کامل وفاداری، حمیت دین اور اسلام کے لئے آخری حد تک کردار کی ادائیگی ہے، جب یہ چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں، تو اللہ کی طرف سے نصرت کے راستے کھل جاتے ہیں۔

مسلمانوں کی حالت زار میں تبدیلی اور عالمی سطح پر از سر نو ابھرنے اور دنیا سے اپنی حیثیت اور قوت کو منوانے کی یہی ایک صورت ہے، جس کا ذکر کیا گیا۔



# خیالی قوت کو مثبت بنانے سے

## ہر طرح کے فساد سے بچاؤ کی صورت

اس دور میں خیالی قوت کو مثبت سوچ میں تبدیل کرنا الگ بھگ ہر فرد کا بنیادی مسئلہ ہے، اس لئے کہ مادیت کی ہمہ گیر لہر نے ذہن کو منفی خیالات سے بھر دیا ہے، منفی خیالات کے اس غلبہ کا نتیجہ ہے کہ معاشرہ میں ہر سطح پر ٹکراؤ کی فضا ہے، سکون سے محرومی کی حالت ہے، اس وقت انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ افراد کو منفی سوچ سے نکال کر مثبت سوچ کی راہ پر لگایا جائے، انسانیت دراصل مثبت سوچ ہی سے وابستہ ہے، مثبت سوچ سے مراد یہ ہے کہ نفرت نہ ہو، کینہ اور بغض نہ ہو، ضد کی نفسیات نہ ہو، حرص وہوس نہ ہو، دوسروں کی تحقیر کے میلانات نہ ہوں، دنیا کو مقصود بنانے کے خیالات نہ ہوں۔

اس کی جگہ آخرت میں اللہ سے ملاقات کی فکر غالب ہو، اللہ کے بندوں کی دنیا وآخرت کی بہتری کی فکر موجود ہو، سب کو اپنے آپ سے بہتر سمجھنے کی نفسیات ہو، دنیا کے تھوڑے سے حصہ پر راضی رہنے کا احساس ہو، دوسروں کے کام آنے کی فکر مندی موجود ہو، ہر طرح کی بھلائی اور نیکی کی چاہت ہو اور معاشرہ میں خیر کو پھلنے پھولنے کی آرزو ہو۔

یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو دل اور ذہن کے درمیاں مطابقت سے ہی پیدا ہو سکتی ہیں، اس کے لئے ذہن کو دل کا ہمنوا بنانے کی ضرورت ہے، ہمارے ہاں صدیوں سے موجود خانقاہی نظام کی خصوصیت یہی تھی کہ جو شخص بھی اس خانقاہی نظام سے وابستہ ہوتا تھا، وہ رفتہ رفتہ منفی خیالات کی جگہ مثبت خیالات کا حامل ہو جاتا تھا اور اس میں انسانیت کی بیشتر صفات وخصوصیات پیدا ہونے لگتی تھیں، اس لئے کہ یہ خانقاہی نظام نور نبوت کے اجزاء سے بہرہ ور ہوتا تھا، اس خانقاہی نظام کا سربراہ جسے مربی کہیں یا مزکی یا روحانی استاد، وہ عرصہ تک نفسی قوتوں کے خلاف معرکہ آرائی کر کے، فقر، درویشی، محبت، معرفت، تقویٰ، ایمان ویقین اور کردار کی بلندی پر فائز ہو جاتا تھا، اس سے محبت کا تعلق قائم ہونے سے فرد وافراد پر آہستہ آہستہ اس کا رنگ غالب ہونے لگتا تھا اور اس کی صفات کی

عکس ریزی ہونے لگتی تھی، خیالی قوت جب فساد زدہ ہو جاتی ہے تو فرد کی زندگی زہر سے عبارت ہو جاتی ہے اس لئے کہ خیالی قوت کی فساد زدگی سے فرعونِ نفس کے سارے جذبات اچھل کر فرد پر حملہ آور ہو کر، اسے شدید فکری انتشار کا شکار بنانے کے ساتھ ساتھ معاشرہ کو بھی درندوں کے معاشرے میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

خیالی قوت کی اہمیت یہ ہے کہ یہ قوت اکثر نفس کے ہیجان خیز جذبات کا منبع ہوتی ہے، نفس اپنے سارے جذبات اور ساری خواہشات کو خیالی قوت کی طرف منتقل کر دیتا ہے، اس طرح نفسی قوت اور خیالی قوت میں ہمنوائی پیدا ہو جاتی ہے، البتہ پاکیزہ ماحول اور ذکر و فکر سے رفتہ رفتہ خیالی قوت پر دل کی قوتیں غالب آنے لگتی ہیں، لیکن اس میں کافی وقت لگتا ہے اور دل کو نفسانی قوت کے مرکز خیالی قوت سے شدید معرکہ آرائی کرنی پڑتی ہے، اس معرکہ آرائی میں جب نفس کی قوت ڈھیلی پڑ جاتی ہے تو خیالی قوت دل کی ہمنوا ہو کر، انسانیت کے رازوں سے آشنا ہو جاتی ہے اور فرد وافراد سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔

چونکہ خیالی قوت کے پس پردہ نفس کی خوفناک قوت پوشیدہ اور وابستہ ہے، اس لئے شروع میں کچھ عرصہ تک خیالی قوت، دل کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتی اور وہ بھٹکتی رہتی ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے خانقاہی نظام کے غیر مؤثر ہونے کی وجہ سے نفرت، کدورت، حسد جلن، دنیا کی محبت اور انسانیت بیزاری کی ایسی وبا پھوٹ پڑی ہے کہ معاشرہ شدید فساد اور افراتفری سے دوچار ہو گیا ہے، جب ہر شخص کا ذہن منفی خیالات کا مرکز بن جائے تو یہ منفی خیالات معاشرہ کو جتنا بھی نقصان پہنچائیں، کم ہے۔

اگر ہمیں دنیا و آخرت کے خسارہ سے بچنا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم خیالی قوت کو مثبت اور صحتمند بنانے کے کام کو سارے کاموں پر ترجیح دیں اور اس سلسلہ میں ٹوٹا پھوٹا خانقاہی نظام کا جو حصہ بھی بچا ہے، وہ اس مقصد کے سلسلے میں ہمارا معاون اور مددگار ہو سکتا ہے۔



# زمانہ کو طاقتور اخلاقی اور روحانی قیادت

## اور مردان کار کی ضرورت

انسانیت کا قافلہ پچھلے دو دھائی صدیوں سے اللہ پرستی کی بجائے مادیت پرستی کی بنیادوں پر استوار ہوا ہے اور انسانیت کی اجتماعی زندگی، اور علوم وفنون سے مذہب، دین، وحی ورسالت کو نکال کر اس کی مادیت کی بنیادوں پر تشکیل کر چکا ہے، مسلم دنیا بھی چونکہ عالمگیریت کا حصہ ہے، اس لئے مسلمانوں کا اجتماعی نظام بھی سیکولرزم اور مادیت کے اثرات سے محفوظ نہیں۔

مسلمان ممالک کا مروجہ نظام تعلیم بھی سیکولرزم، جدیدیت، آزادی، دنیاداری اور دنیاپرستی کو فروغ دے رہا ہے۔

اس طرح ہماری کئی نسلیں سیکولرزم اور آزادی کے ماحول میں پروان چڑھ کر اپنی پاکیزہ تہذیب اور اسلامی اقدار سے دور ہو کر زندگی گزارنے پر مجبور ہوئیں۔

ان حالات میں ہمیں زندگی کی ہر سطح پر اور ہر شعبہ میں ایسی قیادت اور ایسے مردان کار کی ضرورت ہے، جو جدیدیت سے مرعوبیت کی بجائے خود اعتمادی اور پوری قوت کے ساتھ انسانیت کے سامنے اسلام کا پاکیزہ نمونہ پیش کر سکیں اور اس کے سامنے اس کی زبان میں اسلام اور اسلامیت کی دعوت پیش کر سکیں، اس طرح کی اخلاقی اور روحانی طاقت کی حامل قیادت ہی اس وقت مسلم امت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، اس طرح کے مردان کار اگر ملت کو مل جائیں تو مسلم ملت کی اجتماعی زندگی کا رخ بدل سکتا ہے اور مادیت کی طوفانی لہروں سے مقابلہ کی بہتر سے بہتر صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

یہ قیادت اور مردان کار اگر دینی طبقات اور علماء کرام سے مل سکیں تو سب سے بڑی سعادت کی بات ہو گی، لیکن اس کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے ان میں سے کچھ اہم چیزیں یہ ہیں۔

(ا) دائراتی خولوں سے نکل کر امت کو امت پن کی حیثیت سے دیکھنا ہو گا اور امت کے مفاد کو ساری مصلحتوں پر ترجیح دینا ہو گی۔

(۲) وقت کے چیلنج، اس کے فتنوں، جدید افراد کے مزاج، نفسیات اور ان کی ذہنی سطح کو سمجھکر ان کی ذہنی تربیت کا کام ہاتھ میں لینا ہوگا۔

(۳) اپنے حلقہ سے باہر کی علمی شخصیتوں سے بھرپور استفادہ کرکے آگے بڑھنا ہوگا۔

(۴) اختلافی اور جزوی مسائل پر زور دینے سے پرہیز کرنا ہوگی اور ان مسائل کو حد اعتدال میں رکھنا ہوگا۔

(۵) جذبہ جہاد سے کام لینا ہوگا۔

(۶) انسانیت کو آخرت میں ابدالاباد والی زندگی میں عذاب سے بچانے کے جذبہ کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

(۷) اہل اللہ کے سامنے اپنی شخصیت کو پائمال کرکے باطن کی وسیع دنیا کے ارتقائی مراحل سے گزرنا ہوگا۔

ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ امت کو ہر دور میں جو چیلنج اور خطرات درپیش رہے ہیں، اس کے مقابلے میں براہ راست یا بالواسطہ طور پر فیصلہ کن کردار علمائے کرام ہی کا رہا ہے، موجودہ فساد زدہ دور میں بھی دعوتی اور مذہبی محاذ پر علماء کرام اہم خدمات سرانجام دے رہے ہیں، تاہم وقت کے سیلاب کی روک تھاک کے لئے ضروری ہے کہ علماء کرام ہماری مذکورہ معروضات پر غور وفکر فرمائیں۔

کیا دور آگیا ہے کہ مجھ جیسے علم وعمل میں کوتاہ افراد علماء کرام کو مشورے دیں اور ان کو نئے دور میں مؤثر کردار ادا کرنے پر ابھاریں۔



# ایک دوسرے کی عزت وتکریم کا ہونا

ایک دوسرے کی عزت وتکریم کا ہونا، دوسروں کی دلجوئی سے کام لینا، لوگوں سے بحث ومباحثہ کرنے کی بجائے ان سے محبت کرنا، ان کے قصوروں کو معاف کرنا، یہ ایسی چیزیں ہیں جو انسانیت کا جوہر اور اس کا سرمایہ ہیں۔

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بنی آدم میرا کنبہ ہے، جو میرے اس کنبہ کے ساتھ بہتر ہے وہ میری نظر میں بہتر ہے، اس حدیث سے نہ صرف احترام انسانیت واضح ہوتی ہے، بلکہ انسانوں کے ساتھ بہتر اخلاق سے پیش آنے کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے، قرآن کی آیت ہے **واصلحوا ذات بینکم** اور آپس میں صلح کے ساتھ رہو۔

صلح کے ساتھ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ دل دوسروں کے بارے میں میلہ نہ ہو، بلکہ سب کے ساتھ حسن ظن ہو اور دوسروں کو اپنے آپ سے بہتر اور افضل سمجھنے کی نفسیات موجود ہو، دوسروں سے شفقت اور ایثار کا معاملہ ہو، اصلاح کے لئے دل سوزی ہو۔

بدقسمتی سے موجودہ دور میں مادیت اور نفس پرستی کی قوتوں کے غلبہ کی وجہ سے دوسروں سے حسد، بغض، کینہ اور ان کی تحقیر کی صورت پیدا ہوگئی ہے، اپنے آپ سے حسن ظن اور دوسروں سے بدظنی، یہ اس دور کا سب سے بُرا تحفہ ہے، یہ ایسی چیز ہے جس سے آپس میں جڑنے کی بجائے ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے، اسلام جس قسم کا مزاج پیدا کرنا چاہتا ہے، اور جو معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے وہ عفو، درگزر، معافی، احسان، شفقت، رواداری اور محبت جیسے اوصاف کا حامل معاشرہ ہے۔

اس طرح کا معاشرہ ہی ہے، جس میں بُرائی مٹتی ہے اور خیر فروغ پذیر ہوتا ہے، ایک حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی عزت میں اضافہ کرتا ہے، جو دوسروں سے عفو ودرگزر سے کام لیتا ہے''۔

ایسا شخص اس قابل ہے کہ اس سے درگذر کا معاملہ کیا جائے، دوسروں سے درگزری کے نتیجہ میں اگر اللہ کی طرف سے درگذری کا معاملہ ہو تو یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔

دوسری حدیث شریف ہے کہ جو شخص جھگڑا ترک کردے اس حالت میں کہ وہ باطل پر ہو اس کے لئے جنت میں ایک کنارے پر گھر بنایا جائے گا، اور جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے تو اس کے لئے جنت کے بیچ میں گھر بنایا جائے گا۔

یہ معاشرتی اور اجتماعی زندگی کے بارے میں ایسی تعلیمات ہیں کہ ان پر عمل کے نتیجہ میں معاشرہ خیر و برکت کا باعث بن سکتا ہے، اور انسانی زندگی جنت کا منظر بن سکتی ہے۔

قرآن میں سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۳۳ میں جن لوگوں کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے، ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے، جو اخلاق میں اچھا ہے۔

انسانی شخصیت کو دوسروں کی عزت و تکریم پر دل سے آمادہ کرنا آسان کام نہیں، اس کے لئے تقویٰ، تزکیہ اور اللہ سے والہانہ محبت چاہئے، یہ چیزیں عبادت، ذکر و فکر کے مجاہدوں اور عاجزی کی راہ اختیار کرنے سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔



# موجودہ دور میں

## اصلاح کے عمل کا دشوار سے دشوار تر ہونا

بچہ پیدا ہوتا ہے، اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے اور موت کے وقت اس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، اذان اور نماز جنازہ کے درمیاں فاصلہ اتنا مختصر ہوتا ہے کہ چند لمحوں سے زیادہ نہیں ہوتا۔

زندگی کے یہ چند لمحے جب گزرنے پر آتے ہیں تو یہ فاصلہ بڑھکر ساٹھ ستر سال تک پھیل جاتا ہے، یہ ساٹھ ستر سال کی زندگی ایسی ہے جس پر ابد لا باد والی زندگی کی کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار ہے، موجودہ دور میں بد قسمتی سے موبائل اور الیکٹرانک کا ماحول جو بچپن سے بچہ کو ملنے لگتا ہے، اس سے اس کے ذہن اور مزاج کی منفی بنیادوں پر نشو و نما ہونے لگتی ہے، جدید نوعیت کے اسکول میں داخلہ سے اس ماحول کے مسموم اثرات میں اضافہ ہونے لگتا ہے، اس طرح فرد جوں جوں آگے بڑھتا ہے، وہ منفی نوعیت کی سوچ اور منفی عادتوں کا اسیر ہو جاتا ہے اور وہ دنیا کے خبط میں اس طرح مبتلا ہو جاتا ہے کہ اسے ہوش و حواس ہی نہیں رہتا، پھر دنیا کے حصول کی جدوجہد میں بہت سارے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں، کچھ لوگ آگے بڑھ جاتے ہیں، لیکن دونوں کا ہدف اور مقصد دنیا ہی کا حصول ہوتا ہے، یہ سب نتیجہ ہوتا ہے موبائل اور اسکولی تعلیم کے ذریعہ سوچ اور عادتوں کی منفی بنیادوں پر تشکیل کا، جب دنیا بنانے اور مادی زندگی کو مقصود بنانے کی سوچ مستحکم ہو جاتی ہے تو عام طور پر اس سوچ میں تبدیلی کی صورت پیدا نہیں ہوتی، اور ساری صلاحیتیں دنیا کے حصول کی جدوجہد میں صرف ہو جاتی ہیں، دنیا کا یہ حصول آخرت کی زندگی کی فراموشی کی قیمت پر ہوتا ہے۔

موجودہ دور میں عام طور پر وعظ و نصیحت کی باتیں اثر انداز نہیں ہوتی اور لوگوں کی زندگی کے معمولات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، اس کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب قبرستان میں مردہ کو دفنایا جاتا ہے تو اس وقت دو چار افراد کی ٹولی آپس میں بیٹھکر جو گفتگو کرتی ہے، ان کی ساری گفتگو دنیا کے حوالے سے ہی ہوتی ہے قبر، آخرت کی زندگی، موت کے بعد کی رسوائی یہ چیزیں دل اور ذہن سے محو ہو جاتی ہیں۔

مادیت پرستی پر مبنی موجودہ ماحول ایسا ہے، جس میں جب تک گھر میں طاقتور دینی، اخلاقی اور روحانی ماحول نہ ہو، تب تک بچوں کی دینی زندگی خطرہ سے دوچار ہے، اور ان کے لئے فساد زدہ ماحول کے اثرات سے بچنا مشکل تر ہے۔

موجودہ دور کی یہ مشکل ایسی ہے، جو اہل ایمان کے لئے سخت آمائش ہے، اہل ایمان جب یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی کوششوں کے باوجود گھر میں اخلاقی وروحانی تربیت کا ماحول نہیں بننے پاتا، توجہ موبائل سے ہٹنے نہیں پاتی، نماز پر آمادگی نہیں ہوتی تو وہ کف افسوس ملنے لگتے ہیں۔

قرآن نے یہ بات واضح فرمادی ہے کہ دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینا اور ہر وقت دنیا میں مگن رہنا، اور مادی مصروفیتوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلے کا ہونا، آخرت کی فکر کا نہ ہونا یا برائے نام ہونا، یہ جہنم میں داخلہ کا باعث ہے، اس طرح کی زندگی جس میں مادیت کا عنصر غیر معمولی طور پر غالب ہو، ایسی طرز زندگی میں عام طور پر آخرت کی تیاری کی گنجائش موجود نہیں ہوتی **"فاما من طغیٰ واثر الحیواۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماویٰ واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی ماویٰ۔"** (جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور خواہشات کو روکتا رہا اس کے رہنے کی جگہ جنت ہے)۔

موجودہ ماحول کا جبر ایسا ہے کہ اولاد کی اصلاح سے معمولی غفلت وکوتاہی اور بے توجہی اصلاح کی راہ میں ایسے پہاڑ حائل کردیتی ہے کہ ان پہاڑوں کو طے کرکے بچوں کو دوبارہ اصلاح کی راہ پر لانا دشوار تر عمل ہے، اگر نماز پڑھنے کی عادت بچپن میں مستحکم نہ ہوسکی تو بڑے ہوکر نماز پڑھنا دشوار ہے، اسی طرح اگر موبائل پر بچپن سے فحش پروگرام دیکھنے کی عادت پیدا ہوگئی تو بڑے ہوکر یہ عادت مزید مستحکم ہوگی۔

بچپن کی بہتر تربیت، بچپن کی اخلاقی اور روحانی تربیت بچوں کی پوری زندگی کو پاکیزہ بنیادوں پر استوار کرنے کا باعث بن سکتی ہے، اس سلسلے میں ہمیں آخری حد تک اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی فکر کرنی ہوگی۔



# عقل کی حیثیت، وحی کی رہنمائی میں زندگی کا سفر طے کرنا

انسانی شخصیت کی تشکیل وتخلیق میں دل، روح، ذہن اور نفس کو بنیادی عمل دخل حاصل ہے، ان چاروں عناصر میں ذہن کی کل حیثیت ایک حصہ سے زیادہ نہیں ہے اور ذہن کی بھی اکثر حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ نفس کی خواہشات اور جذبات سے متاثر ہوکر، اس کے زیر اثر ہی سوچتا ہے، ذہن آزاد ہوکر سوچے، یہ مشکل ہوتا ہے، انسانی ذہن کی اس محدود صلاحیت کی وجہ سے انسان، کائنات، تخلیق کائنات اور زندگی کی رہنمائی کے بارے میں عقل پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا، اس سلسلے میں عقل کی رہنمائی نہ صرف ناکافی ہے، بلکہ وہ انسان، کائنات اور انسانی شخصیت کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں کے ادراک کے سلسلے میں انسان کے لئے بھٹکنے کا موجب ہے، البتہ زندگی کے تجربات، مشاہدات، تلاش وتحقیق اور مادی ترقی کے سلسلے میں عقل مؤثر کردار ادا کرتی ہے، عقل کی اس محدودیت کی وجہ سے ہی انسان کی رہنمائی کے لئے ہر دور میں وحی کی ضرورت رہی ہے، تاکہ انسان وحی کی روشنی میں بہتر انسان اور پاکیزہ انسان کی حیثیت سے زندگی گذارنے میں کامیاب ہو، نیز دل، روح اور عقل کے درمیان مطابقت پیدا ہوسکے اور نفسی اور مادی قوتوں کو مفتوح کرکے، انسان اپنے خالق کی معرفت حاصل کرسکے، محض عقل کے ذریعہ مسائل حیات حل کرنے اور زندگی کو پاکیزگی سے ہمکنار کرنے میں انسان ہمیشہ ناکام رہا ہے، اس دور میں بھی اس سلسلے میں مادہ پرست انسان کو ناکامی کا سامنا ہے اور ان کی گھر ولی، خاندانی اور معاشرتی زندگی تباہی سے دوچار ہے، ہم جنس پرستی اور نہ ختم ہونے والی ذہنی ونفسیاتی بیماریاں مادہ پرست معاشروں میں پھوٹ پڑی ہیں، ان بیماریوں نے ان کی ساری مادی اور سائنسی ترقی کو بے معنیٰ بنادیا ہے، مادہ پرست انسان سکوں کی تلاش میں مارا مارا پھر

رہاہے، یہ نتیجہ ہے عقل کو عقل کل سمجھنے اور وحی کی رہنمائی میں زندگی کا سفر طے کرنے کی روش سے انکار کا۔

عقل کی حقیقت سے اس نارسائی اور محدودیت کی وجہ سے ہی اللہ نے انسان پر یہ سب سے بڑا فضل فرمایاہے کہ اپنے انبیاء پر وحی بھیجکر انسانوں کی رہنمائی کی ہے اور ان کے لئے فوروفلاح کا راستہ متعین فرمایاہے۔

ہماری جدید نسلیں عقلیت کی فکر کے غلبہ کی وجہ سے عقل کے سلسلے میں اس سب سے اہم حقیقت کو سمجھنے میں الجھا کا شکار ہے، یہ الجھاؤ اس لئے پیدا ہوا ہے کہ وہ تعلیم وتربیت کے صحیح ماحول سے فیضیاب ہونے سے بے بہرہ رہے۔

انسان کا ہمیشہ سے یہ المیہ رہاہے کہ وہ عقلیت پسندی کا شکار ہو کر، داعیان حق سے متصادم رہا ہے، اس دور میں بالخصوص عقلیت کی حامل قوتوں کو مادہ پرست نظریات اور ریاستی قوتوں کی سرپرستی حاصل رہی ہے، نظریات کی اشاعت، تعلیم کے ذریعہ ان کے نفوذ اور میڈیا کے ذریعہ عقلیت پسندی کی پبلسٹی اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ دین ومذہب، آخرت اور وحی کو عقلیت کے پیمانوں سے ناپنے کا مزاج پیدا ہوگیا ہے، حالانکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ انسانی شخصیت میں عقل کی کل حیثیت ایک حصہ سے زیادہ نہیں رہی ہے، دل اور روح انسانی شخصیت کی وہ جوہری قوتیں ہیں، جن سے کام لینے کے نتیجہ میں انسانی شخصیت کا فطرت کی گہرائیوں سے تعلق قائم ہونے لگتاہے، اور اندر سے توحید اور حق کی صدا سنائی دینے لگتی ہے اور وحی کے ذریعہ فطرت میں موجود معلومات کو مہر تصدیق مثبت ہونے لگتی ہے۔

جدید نفسیات بھی یہ بات مانتی ہے کہ ہم جسے عقل کہتے ہیں، وہ دراصل نفسی خواہشوں کی آرزوں اور نفسی جذبات کا یرغمال شدہ ہوتاہے، اور یہ مذہب ہی ہے جو عقل اور عقلیت کو نفسی خواہشات سے آزادی دلانے میں کردار ادا کرتاہے، اس دور میں عقل اور عقلیت ہی کو سب کچھ سمجھنے



ہی کا نتیجہ ہے کہ عقل معبود کی صورت اختیار کر چکاہے اور عقل کے پس پردہ نفسی قوتوں کی پرستش مقصود کا درجہ اختیار کر چکی ہے، یہ وحی کے ذریعہ حاصل ہونے والی تعلیمات ہی ہے جو عقل کو اس کا صحیح مقام دے کر نفس کو مفتوح کرنے، دل اور روح کی جوہری قوتوں کو ان پر غالب کرنا چاہتی ہے اس طرح مذہبی اور دینی تعلیمات انسان کو اس کے بلند مقام پر فائز کرنا چاہتی ہے۔

عقل کا سب سے اہم کام تو یہ ہے کہ وہ وحی کی رہنمائی اختیار کرے، اور وحی کی روشنی میں زندگی کا سفر طے کرے، آخری وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، جس میں سابقہ انبیاء کی تعلیم کی روح شامل ہے، عقل کا دوسرا کام یہ ہے کہ وہ کائنات اور اشیائے کائنات پر غور وفکر اور تلاش وتحقیق سے کام لے اور اشیائے کائنات میں موجود قدرتی قوانین کو سمجھکر اشیاء کو مسخر کرے، اس سے عقیدہ توحید مستحکم سے مستحکم تر ہوگا اور اللہ کی شان عظمت کے زیر اثر اپنی عبدیت کا احساس غالب سے غالب تر ہوتا جائے گا، اس سے مادی نوعیت کی ترقی کی منازل بھی طے ہوں گی، جو اضافی فائدہ شمار ہوگا، اس لئے کہ مادی ترقی مقصود نہیں، مقصود عقیدہ توحید کا رسوخ اور اللہ کی زمین پر اس کے عاجز بندہ کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے سلیقہ کا حامل ہونا ہے۔

بدقسمتی سے جملہ علوم (سائنسی علوم سمیت) سے عقیدہ توحید کو نکال دیا گیاہے، اس کا نتیجہ ہے کہ ساری مادی ترقی اللہ کی زمین کو فساد سے بھرنے کا ذریعہ بن گئی ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ اس کی خالق ہستی موجود ہے۔ اور پوری کائنات پر اس کا تصرف قائم ہے، اور اشیائے کائنات میں اس کے قوانین ہی کارفرما ہیں اور ان قوانین کے تحت ہی ساری کائنات کام کر رہی ہے۔

# مانگے بغیر مشورہ کے نقصانات

دوستوں اور ساتھیوں کے درمیاں تعلقات کی خرابی اور جماعتوں اور اداروں میں ٹوٹ پھوٹ کا ایک اہم سبب مشورہ پر مشورہ دیتے رہنا اور اپنے مشوروں کو اہم سمجھکر، اس پر اصرار کرنا ہے، ذہین اور باصلاحیت افراد کے ساتھ یہ المیہ رہا ہے کہ وہ خود تو آگے بڑھکر کوئی کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، لیکن جو لوگ تعمیر معاشرہ کے لئے کام کرتے ہیں، ان کے کام میں اپنے مشوروں کے ذریعہ خلل پیدا کرنے کے لئے شعوری یا غیر شعوری طور پر کوشاں ہوتے ہیں۔

ذہانت اللہ کا عطیہ ہے، لیکن ذہانت کی یہ خاصیت ہے کہ اگر ذہین فرد اپنی صلاحیتوں کو استعمال میں لانے میں پس وپیش سے کام لے گا تو چونکہ ذہانت کام کئے بغیر نہیں رہتی، اس لئے اب یہ ذہانت دوستوں اور ساتھیوں کو مشورے دیتے رہنے میں استعمال ہونے لگتی ہے، مانگے بغیر مشورہ دینا اور اپنے مشورہ پر اصرار کرتے رہنا اور بار بار اس کی یاد دہانی کراتے رہنا، یہ ایسی چیز ہے، جس سے دلوں میں میل اور کدورت پیدا ہونے لگتی ہے، بالآخر دوستی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگتی ہے۔

مشورہ کتنا ہی قیمتی ہو، لیکن جب اس پر اصرار ہوگا اور اس مشورہ کو ہر صورت میں مسلط کرنے کی کوشش ہوگی تو اس سے ساتھیوں کے درمیاں ٹکراؤ پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتا، کام کرنے والے فرد کے اپنے مسائل اور مشکلات ہوتی ہیں، ان کی مشکلات اور اس کی نوعیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مشورہ دینے والا دوست یہ سمجھتا ہے کہ میرے مشورہ کی قدر نہیں کی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ مشورہ دینے سے زیادہ جس کی چیز کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ دوست اور ساتھی یا تو کام کرنے والے ساتھی سے معاونت کرے یا پھر اس کے کام میں مداخلت کی بجائے خاموش رہے، یہ خاموشی بھی اس ذہین ساتھی کا احسان شمار ہوگا۔

مشورہ کا ایک اصول یہ ہے کہ جب مشورہ مانگا جائے تو اس وقت مشورہ دیا جائے، دوسرا اصول یہ ہے کہ اپنے مشورہ کو حرف آخر کی حیثیت سے پیش کرنے کی بجائے اسے اپنی معمولی رائے کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔



ذہین افراد میں عام طور پر خود رائی کی کمزوری موجود ہوتی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ ان کی بات آگے ہو، ان کی ذہانت کا تاثر پیدا ہو اور دوستوں پر ان کی مرضی چلنے لگے، اس سے نفس کو لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے، اداروں، جماعتوں اور دوستوں میں ٹوٹ پھوٹ کا بڑا سبب ذہین افراد کی خود رائی کی کمزوری ہوتی ہے، اگر ہر صورت میں مشورہ دینا ہے تو ایک دو بار مشورہ دے کر اپنی ذمہ داری ادا کی جائے، مشورہ پر اصرار کسی صورت نہ ہونے پائے۔

ذہین فرد اپنے تئیں یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اداروں، جماعتوں اور کام کرنے والے دوستوں کو میرے مشورہ کے تحت ہی چلنا چاہئے، جب اس کے مشورہ کو اہمیت نہیں دی جاتی تو وہ ناراضگی کا شکار ہو جاتا ہے۔

دوستی نبھانے اور جماعتوں اور اداروں کو مستحکم کرنے کے آداب کو سمجھنا چاہئے کہ ایک دوسرے کے احترام، اور اپنی رائے سے دستبرداری یا اس پر اصرار نہ کرنے سے ہی دوستی قائم رہتی ہے۔

ایسا مشورہ جس میں اخلاص وبے نفسی ہو، جس میں تجربہ ومشاہدہ شامل ہو، جس میں محبت اور حقیقی دردمندی وفکرمندی شامل ہو، وہ قابل قدر ہوتا ہے، قرآن میں اسی طرح کے مشورہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ باہمی معاملات مشاورت سے سرانجام دو **(وامرھم شوریٰ بینھم)**۔

ایسے افراد قابل قدر اور لائق تحسین ہیں جو دوستوں، ساتھیوں، اداروں اور جماعتوں کے لئے اپنے کردار سے باعث تقویت ہیں، وہ مشورہ کو اپنی اخلاقی اور مذہبی ذمہ داری سمجھکر اسے حکمت سے پیش کرتے ہیں، نیز ان کے مشورہ کے پس پردہ ان کی انانیت کارفرما نہیں ہوتی۔

# عزت کے مصنوعی معیار

## ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت

اسلام کی نظر میں عزت کا معیار تقویٰ، کردار کی پاکیزگی وبلندی، درویشی اور علم وفضل ہے، جب کہ بدقسمتی سے اس دور میں مادیت کی ہمہ گیر فضا کی وجہ سے عزت کا معیار دولت، بنگلہ، بڑی گاڑی اور مادی ساز وسامان ہوگیا ہے، جس کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں، معاشرہ اسے کوئی حیثیت دینے کے لئے تیار نہیں، اس کی اولاد کی شادیاں متاثر ہوتی ہیں، اس لئے کہ ان کے پاس جہیز کے لئے لاکھوں روپے کا سامان نہیں ہوتا، اور ولیمہ کے لئے وسائل نہیں ہوتے۔

ہر وہ فرد جو تقویٰ، علم وفضل، درویشی، دنیا سے بے نیازی، اور کردار کی پاکیزگی میں کتنا ہی آگے کیوں نہ ہو، اگر اس کے پاس مال ودولت نہیں ہے تو معاشرہ ایسے فرد کو قابل ذکر ہی نہیں سمجھتا، اس لئے کہ عزت کے مصنوعی معیاروں کی وجہ سے کوئی بھی فرد معاشرہ میں خصیص اور بے وقار بننا نہیں چاہتا۔

المناک بات یہ ہے کہ خوشحال مذہبی افراد بھی اس راہ پر گامزن ہیں اور ان کے بھی عزت کے معیار یہی بن گئے ہیں۔

مال ودولت اور دنیا کی یہ حیثیت کہ اس کے مقابلے میں تقویٰ، کردار کی پاکیزگی، درویشی وغیرہ سب بے معنیٰ ہوجائیں، محدود مذہبی دائرہ کی حد تک تو دینداری قابل قبول ہو، لیکن معاشرتی زندگی اور اجتماعی نوعیت کے مسائل کے بارے میں دنیا داروں کے قائم کردہ معیاروں سے دستبرداری کے لئے آمادگی نہ ہو، یہ المناک بات ہے، اس کا جو نتیجہ ظاہر ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ معاشرہ کے قائم کردہ عزت کے مصنوعی معیاروں پر پورا اترنے کے لئے افراد میں دوڑ کا سلسلہ قائم ہے اور جائز اور ناجائز طریقوں سے ہر صورت میں دولت کا حصول افراد معاشرہ کا مقصود بن گیا ہے، تاکہ وہ معاشرہ میں خصیص حقیر اور ذلیل بننے سے بچ سکیں۔



حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی نظر میں عزت وتکریم تقویٰ کردار کی پاکیزگی، علم وفضل، درویشی اور فقر میں ہے۔

ایک حدیث ہے کہ اگر اللہ کی نظر میں دنیا (ساری دنیا) کی حیثیت مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو پانی کا گھونٹ بھی نہ دیتا۔

عزت کے مصنوعی معیار کا ایک بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ قیمتی زندگی مال ودولت کے بتوں کی پرستش میں صرف ہورہی ہے، تقویٰ، علم وفضل اور روحانی صلاحیتوں کے حصول کی تمنا وآرزو تیزی سے ختم ہورہی ہے۔

ساٹھ ستر سال کی مختصر زندگی کے لئے عزت کے مصنوعی معیار کے سامنے سجدہ ریز ہونا اور اس کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کرنا، سب سے بڑی نادانی ہے، اس نادانی پر آخرت میں خون کی ندیاں بہانی پڑیں گی، ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے۔

عزت کے مصنوعی معیار پر فدا ہونے کا بنیادی سبب ایمان ویقین کی گہرائی اور اللہ کی حقیقی محبت کی حلاوت سے ناآشنائی ہے، یہ چیز ایسی ہے، جو رسمی مذہب یا مذہب کی رسمی صورت سے حاصل نہیں ہوسکتی، اس کے لئے صحبت اہل اللہ اور ذکر وفکر کے ذریعہ نفسی قوتوں سے شدید معرکہ آرائی کرنی پڑے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان نفسی اور مادی قوتوں کی طرف سے شدید خطرہ کی حالت میں ہے، اس دنیا میں اس خطرہ کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ فرد اور افراد سکون کی بربادی کی حالت سے دوچار رہتے ہیں زندگی میں سکون کی اس خلا کو وہ عزت کے مصنوعی معیار کے ذریعہ پُر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، آخرت میں اس کی جو سزا ہوگی، وہ ناقابل تصور اذیت کی صورت میں ہوگی، زندگی کھیل تماشہ نہیں ہے، کہ اسے عزت کے مصنوعی معیار میں ضایع کیا جائے، زندگی اور وقت بہت بڑا سرمایہ ہے جس سے دنیا میں ایمان کی حقیقی حلاوت سے بہرہ وری بھی حاصل ہوسکتی ہے تو ساتھ ساتھ آخرت کی ابدی زندگی میں فوز وفلاح کی سعادت بھی۔

یہاں اس سلسلہ میں قرآن کی ایک آیت پیش کی جاتی ہے۔

**ان الذین لایرجون لقاء نا ورضوا بالحیوٰۃ الدنیا وطمانوا بھا والذین ھم عن اٰیٰتنا غٰفلون اولئک ماوھم النار۔** (بے شک جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر راضی ہیں اور مطمئن ہیں وہ لوگ ہیں جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں، یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ (جہنم کی) آگ ہے۔

اہل اللہ کا کہنا ہے کہ جب تک مالداروں کے راحت کے سامان اور ان کی بھرپور دنیادارانہ زندگی سے کراہت پیدا نہ ہوگی تب تک حقیقت اور معرفت تک رسائی حاصل نہ ہوگی۔

یہ بہت اہم نکتہ ہے، جسے سمجھنے کی ضرورت ہے، زندگی تو چند لمحوں کے بعد نہ رہے گی، لیکن عزت کے مصنوعی معیار کی پرستش کی سزا طویل عرصہ تک بھگتنا پڑے گی۔



# خود نمائی اور خود ثنائی کی بیماری

## اور اس کے مہلک اثرات

انسانی شخصیت کو جو روگ لاحق ہیں، ان میں خود ثنائی، خود نمائی اور خود ستائش کا روگ بھی شامل ہے، بالخصوص ذہین و باصلاحیت افراد میں یہ روگ زیادہ شدت سے موجود ہوتا ہے، فرد کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ اس کے کردہ و ناکردہ کاموں کی داد دی جائے اور اس کی تعریف کی جائے، اگر دوست واحباب اس میں کوتاہی سے کام لے رہے ہیں تو فرد خود آگے بڑھکر اپنی خود ثنائی کرنے لگتا ہے، جس سے اس کے نفس کے خواہش کی تسکین ہونے لگتی ہے۔

خود ستائش کی بیماری میں مبتلا فرد بے چین رہتا ہے کہ کوئی مجلس ایسی نہ ہو، جس میں اس کی موجودگی میں اس کی ذہانت، اس کی علمی اور مذہبی خدمات کا ذکر نہ ہو۔

خود ثنائی اور خود نمائی کی بیماری، کا ایک لحاظ سے تکبر سے بھی گہرا تعلق قائم ہے، اس لئے کہ جب اپنی بڑائی اور اپنی عظمت کا احساس موجود اور غالب ہوتا ہے، تب ہی تو اپنی ستائش اور خود نمائی کی آرزوئیں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں۔

خود نمائی کا مریض قابل رحم ہوتا ہے، وہ تنقید سننے کا ہرگز متحمل نہیں ہوتا، تنقید سے وہ آخری حد تک مشتعل ہو جاتا ہے اور دوستوں کی طرف سے معمولی تنقید حتیٰ کہ اسے اس کے شایان شان عزت نہ ملنے کی وجہ سے بھی وہ قطع تعلق کر دیتا ہے۔

خود نمائی و خود ثنائی اور داد طلبی کی بیماری ایسی ہے، جو اپنے اعمال کو مفت میں غارت کرنے کا موجب ہے، اور فرد کے زندگی بھر کے اعمال اس کے نفس کے حوالے ہو جاتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تمہارے بارے میں خطرہ اس بات کا نہیں ہے کہ تم شرک اکبر

میں مبتلا ہو جاؤ گے، بلکہ مجھے خطرہ اس بات کا ہے کہ تم شرک اصغر میں مبتلا ہو گے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ، شرک اصغر کیا ہے، آپ نے فرمایا، ریا (یعنی دکھانے کے لئے اعمال کرنا)۔

خود ثنائی، ریا اور داد طلبی کا مریض بہت زیادہ ہمدردی کا مستحق ہے، اس لئے کہ وہ اس بیماری کی وجہ سے اپنے اعمال ضایع کرنے کے باوجود وہ اپنے لئے اخلاص وللھیت کی راہ کے سارے راستے بند کر چکا ہوتا ہے، خود احتسابی اور اخلاص سے ہونے والی تنقید سے اصلاح کی صورت پیدا ہو سکتی ہے، لیکن اپنی شخصیت کے بت کی پرستش کی وجہ سے وہ خود احتسابی کے لئے تیار نہیں ہوتا، بلکہ خود ثنائی کی عادت کے مستحکم ہونے کی وجہ سے اسے یہ بُرائی مزین کر کے دکھائی دینے لگتی ہے۔

یہ زندگی ملی ہے، اللہ کے لئے اعمال کرنے کے لئے اور خالص اللہ کی رضامندی کے حصول کے لئے، لیکن خود ثنائی کا مریض اس قیمتی زندگی کو اپنی شخصیت کو چمکانے اور دینی اور مذہبی نوعیت کی خدمات بھی شہرت اور دادرسی کے لئے سرانجام دیتا ہے۔ کتنا خسارہ کا سودہ ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خود احتسابی کے ذریعہ ہر طرح کی باطنی بیماریوں سے بچائے اور اپنے دوستوں کی معیت نصیب فرمائے، جو ہر طرح کی روحانی بیماریوں کے معالج ہوتے ہیں، جن کی صحبت سے باطنی آنکھ کھل جاتی ہے اور فرد ان بیماریوں سے نجات کے حصول کی راہ پر گامزن ہونے لگتا ہے۔



# آیئے عہد کریں

عید کے موقعہ پر ہمارا پیام یہ ہے کہ رمضان میں ہم نے جو تھوڑی بہت روحانی توانائی حاصل کی ہے، اس کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں، اپنے دل کو دوسروں کے بارے میں بدگمانی، نفرت اور حسدہ وغیرہ سے بچانا چاہئے اور دل کو صاف رکھنا چاہے، دوسروں سے عزت و تکریم سے پیش آنا چاہئے، اللہ کے بندوں کو اپنے آپ سے بہتر اور افضل سمجھنا چاہے، ایسا کرنے سے جہاں اللہ کی نظر میں آپ کا رتبہ بلند ہو گا، وہاں اس سے خوشگوار زندگی کی سعادت بھی حاصل ہو گی۔

یاد رکھیں کہ اللہ کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی دلجوئی اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا ایسا کام ہے، جو سعادت دارین کی حیثیت رکھتا ہے۔

کینہ، نفرت اور جلن کے حامل فرد کے دل میں اللہ کے انوار داخل نہیں ہو سکتے، اس لئے انسانوں سے محبت کے معاملے کو ہمیں اپنی زندگی کی ترجیح میں اولیت کا مقام دینا چاہئے۔

ہماری اس روش سے معاشرہ اور خاندان ٹوٹ پھوٹ سے بچ کر، وحدت کے رشتے میں منسلک ہو سکتے ہیں، اسی وحدت سے امت طاقتور ہو گی۔

ایک اہل اللہ کا ذکر ہے کہ ایک صاحب دور دراز سے مسافت کر کے ان سے ذکر لینے کے لیے آئے، بزرگ نے ان سے کہا کہ تمہارا پہلا سبق یہ ہے کہ اپنے دل کو لوگوں کے بارے میں پاک وصاف کر لو، اور سب کو اپنے سے بہتر سمجھو اور اس سلسلے میں خود احتسابی سے کام لو۔ وہ مرید چند ہفتوں کے بعد سے پھر آیا اور کہا کہ میں ذکر لینے کے لئے آیا ہوں، بزرگ نے کہا کہ میں نے جو پہلا سبق دیا تھا، اسے پکا کر لیا، اس نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر بزرگ نے کہا کہ جب پہلا ہی سبق پکا نہ ہو تو دوسرا سبق کیسے دیا جائے؟

بزرگوں کے ہاں دوسروں کو اذیت پہنچانا بُرے کاموں میں شمار ہوتا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء کی کتاب ''فوائد الفوائد'' میں ایک ملحوظ ہے، آپ فرماتے ہیں کہ بُرا کہنا بُرا ہے، لیکن بُرا سمجھنا اس سے زیادہ بُرا ہے۔

حکیم الامت فرماتے ہیں تصوف کل کا کل یہ ہے کہ اپنی ذات سے دوسروں کو نقصان پہنچنے سے بچا جائے۔

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ سے تعلق مستحکم کئے بغیر اللہ کے بندوں کو اپنی نفس کی شرارتوں سے بچانا اور ان سے بے غرضانہ تعلقات استوار کرنے کی صلاحیت کا پیدا ہونا دشوار بات ہے، اس کے لئے مخلصانہ عبادت اور ذکر و فکر کی ضرورت ہے، اس سے روحانی قوتیں، نفسی قوتوں پر غالب آنا شروع ہوتی ہیں اور اللہ کے بندوں سے محبت پیدا ہوتی ہے۔



# انسانی نفس کی نوعیت کو سمجھے بغیر علوم کا بے نتیجہ ہونا

اس وقت انسانیت محلہ کی سطح سے لے کر عالمی سطح تک جس بحران سے دوچار ہے، وہ نفسی قوتوں کو نہ سمجھنے اور اس قوت کو مہذب نہ بنانے کا بحران ہے، حضرت مجدد الف ثانی کا مقولہ ہے کہ نفس اپنی الوھیت سے کم پر راضی نہیں۔ آپ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ نفسی قوتوں کی فنائیت سے پہلے فرد کا نفس شیطان سے زیادہ شریر ہے۔ حضرت مجدد ہی نہیں، بلکہ سارے بزرگان دین نے نفسی قوتوں اور نفس کے بارے میں اس طرح کے انتباہات دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی شخصیت میں روح جیسے لطیف جوہر کے ساتھ سارے درندوں سے بڑھکر خوفناک قوت نفس کی صورت میں رکھی ہے اور یہ آزمائش کی خاطر ہے کہ انسان اسے مطیع کرنے اور مہذب بنانے میں کس حد تک کامیاب ہوتا ہے۔ دنیا میں موجود سارا فساد دراصل اسی نفس کی شہ زوری اور کارستانی کا نتیجہ ہے، قوموں اور ملکوں میں بدامنی ہو یا سیاست، معیشت اور معاشرت میں پیدا ہونے والی ہمہ جہتی نوعیت کی خرابیاں، یہ سب نفسی خواہشات کے بے لگام ہونے کا نتیجہ ہیں۔

اس وقت حالت یہ ہے کہ ہر فرد رو رہا ہے کہ سکون اور خوشی کی زندگی سلب ہوگئی ہے، محبت و رواداری ختم ہوگئی ہے، انسان نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی، مفادات کی جنگ ہے، جو ہر جگہ برپا ہے۔

یہ ساری صورتحال نفسی قوتوں کی عدم معرفت، اس کے عدم فہم اور اسے مہذب بنانے کے کام سے انکاری روش ہی کا نتیجہ ہے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ساری تلاش و تحقیق کو روک کر، انسان کو انسان بنانے اور اسے انسان کی حیثیت سے مہذب زندگی گزارنے جیسے سب سے زیادہ اہم اور اولین کام پر صلاحیتیں صرف ہوتیں اور تعلیم و تربیت کا سارا نظام نفس کی سرکش قوتوں کو قابو کرنے کے مرکزی نکتہ کے گرد بنایا جاتا، لیکن اس کام کو عالمی سطح سے لے کر محلہ کی سطح تک کوئی اہمیت نہیں دی جارہی، ساری صلاحیتیں اور توانائیاں انسانی شخصیت کے مادی وجود کو تقویت دینے کے مقصد میں صرف کی جارہی ہیں۔

معرفت نفس کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ فرد دوسروں کو اپنی نفسی خرابیوں سے بچانے کے لئے کوشاں ہو، نیز اس کے حب جاہ، حب مال اور حرص و ہوس کے جذبات سے دوسرے انسان پامال نہ ہونے پائیں۔

جب تک انسانیت معرفت نفس اور تزکیہ نفس کی طرف نہیں آئے گی، تب تک وہ نئے نئے بحرانوں سے دوچار ہوتی رہے گی اور انسانیت کی قوتیں ایک دوسرے سے ٹکرانے میں صرف ہوتی رہیں گی۔

# نوجوان نسل کی اہمیت اور اس کی صلاحیتوں

## کے بہتر استعمال کی صورت

کسی بھی قوم وملت کا اصل سرمایہ اس کی نوجوان نسل ہوتی ہے، جو اس کی تہذیب اور اقدار کی امین ہوتی ہے اور جو اپنی قوم وملت کے تسلسل کو قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کے تہذیبی تسلسل کو بھی قائم رکھتی ہے، اس اعتبار سے نوجوان نسل کی اہمیت مسلمہ ہے۔

ہماری تہذیب ایسی ہے، جو صدیوں تک انسانوں کی رہنمائی کرتی رہی ہے، انسانیت کو علوم وفنون اور سلیقہ انسانیت سے آشنا کرنے میں ہماری پاکیزہ تہذیب کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی بڑی المناک بات ہے کہ تاریخ میں پہلی بار ہماری نوجوان نسل اپنی تہذیب سے دستکش ہو کر، مادی تہذیب کی اسیر ہوتی جارہی ہے۔

جس کے زیر اثر جسم کو راحت کا سامان فراہم کرنے اور دولت کی حرص وہوس کے جذبات کی تسکین کے لئے ذہن وجسم کی ساری توانائیاں صرف کی جارہی ہیں، جب زندگی پاکیزہ مقصد سے خالی ہوتی ہے اور مادی مقصد سارے پاکیزہ جذبات پر غالب ہوتا ہے تو انسان کی حیثیت ترقی یافتہ جانور سے مختلف نہیں ہوتی، حیوان بھی کھاتا ہے، پیتا ہے اور سو کر زندگی گذارتا ہے، اگر انسان کا مقصد بھی کھانے پینے اور لذت کی چیزوں سے بہرہ ور ہونے کے علاوہ کوئی دوسرا نہ ہو تو پھر انسان اور جانور میں فرق ہی کیا ہوا، جدید مادی نظریات میں تو انسان کی ایک توجیہ ترقی یافتہ حیوان ہی کی کی گئی ہے۔ ماہر نفسیات میگڈوکل جسے مغرب میں بڑی اہمیت حاصل ہے، اس کا کہنا ہے کہ انسان فطری طور پر سب سے بڑا تقاضا جو لے کر آتا ہے، جسے انسان کا نصب العینی تقاضا کہا جائے گا، وہ حیوانی جبلت اور حیوانی تقاضا ہے، لیکن اسلامی تہذیب میں انسان کو اشرف المخلوقات کی حیثیت دی گئی ہے، یہ ساری کائنات اس کے استفادہ کے لئے بنائی گئی ہے اور وہ خود جوہری مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، وہ مقصد اللہ کی عبادت اور اس کی معرفت ہے۔

نوجوان نسل اگر اس نکتہ کو سمجھکر اسے فیصلہ کن اہمیت دے اور اپنی زندگی کو اپنی پاکیزہ تہذیب کا نمونہ بنائے تو وہ غیر معمولی روحانی توانائی کی حامل ہو جائے گی، اور وہ جدید انسان کی رہنمائی کرنے کے قابل بھی۔



# معاشی جدوجہد میں توازن کی ضرورت

## اور اس کے فوائد وثمرات

دنیا میں رہنا ہے تو مادی ضروریات سے مفر ممکن نہیں، فرد کو روٹی چاہے، مکان چاہئے، سواری چاہئے، زندگی کی کم سے کم سہولتیں چاہئے، علاج کے لئے وسائل چاہئے، اس حد تک مادی ضروریات اور اور مادی وسائل کے حصول کی جدوجہد ناگزیر ہے، اسلامی نقطہ نگاہ سے معاش کے لئے اور اتنے مادی سامان کے لئے جدوجہد فرائض میں شامل ہے، لیکن اس سلسلہ میں اتنی احتیاط ضروری ہے کہ ایک تو ساری ذہنی صلاحیتیں معاشی جدوجہد اور نئی نئی ضروریات کی تکمیل کے لئے صرف نہ ہوں، دوسرے یہ کہ عبادت اور ذکر وفکر کے لئے کچھ نہ کچھ وقت نکالنا ضروری ہے، زیادہ نہیں تو ایک دو گھنٹے ذکر وفکر کے لئے ضرور مخصوص ہونے چاہئے۔

اس سے جو فوائد حاصل ہوں گے، وہ بہت زیادہ ہیں، ایک یہ کہ روزی کی جدوجہد میں برکت شامل حال ہو جائے گی، کم آمدنی سے بھی زیادہ ضرورتیں پوری ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ وسائل میں برکت عطا فرمائے گا۔ قرآن میں ہے ''ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسریٰ) (جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے کاموں میں آسانی پیدا کرتا ہے)۔

ذکر وفکر کے لئے وقت نکالنے سے دوسرا بڑا فائدہ جو حاصل ہوگا، وہ یہ ہے کہ فرد ہر طرح کے ذہنی دباؤ، فکری انتشار اور مادیت کی بے رحم موجوں کے تھپیڑوں سے زیر وزبر ہونے سے بچ جائے گا اور وہ صبر وشکر کی نفسیات کا حامل ہو جائے گا۔

تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ دل اور روح کو ذکر وفکر اور مخلصانہ عبادت کی جب غذا ملنا شروع ہوگی تو ان کی تسکین اور طمانیت میں غیر معمولی اضافہ ہوگا، جس سے انسانی شخصیت میں ٹھہراؤ آجائے گا۔

اس طرح کے کئی فوائد ہیں، جو معاش کی جدوجہد کو مسلط نہ کرنے، اس میں توازن پیدا کرنے اور عبادت اور ذکر وفکر کے لئے وقت نکالنے سے حاصل ہوں گے۔

موجودہ دور میں جب کہ ہر فرد سخت ذہنی دباؤ کا شکار ہے اور نئے نئے مصائب نے ان کا سخت گھیراؤ کیا ہے، ایسے حالات میں ذکر وفکر کے لئے وقت نکالنے کے یہ فوائد کوئی کم فوائد نہیں ہیں، قلبی سکون کی نعمت ایسی ہے، جو سب سے بڑی نعمت ہے، دنیا کی ساری دولت خرچ کرنے سے بھی یہ نعمت عظمیٰ حاصل نہیں ہو سکتی۔

# سکون کی تلاش اور اس کی حقیقی صورت

دنیا میں انسان کی سب سے بڑی ضرورت سکون اور خوشی کی زندگی ہے، ہر انسان سکون اور خوشی کی زندگی کا متلاشی ہے، عام طور پر افراد کو یہ غلط فہمی لاحق ہوتی ہے کہ انہیں سکون اور خوشی کی زندگی دولت اور مادی راحت کے سامان سے حاصل ہوگی، اس لئے افراد دولت کے حصول کی جدوجہد میں اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیتے ہیں، لیکن جوں جوں دولت آنے لگتی ہے، اسی حساب سے بے سکونی اور بے چینی میں اضافہ ہونے لگتا ہے اور دولت کی مزید حرص اور دولت سے مزید دولت بنانے اور اس دولت کی حفاظت اور اس میں کمی واقع ہونے کے تفکرات بھی گھیر لیتے ہیں۔

جہاں تک بنیادی ضروریات کے لئے دولت کے حصول کے لئے جدوجہد کا تعلق ہے تو وہ تو ناگزیر ہے اور اتنی دولت نہ ہونے سے بھی بے قراری کا پیدا ہونا ایک حد تک فطری بات ہے، لیکن حقیقی سکون اور حقیقی خوشی کی زندگی کا تعلق دراصل دل اور روح سے ہے، دل اور روح جوہری چیزیں ہیں، ان کی تشفی محبوب حقیقی کے انوار حسن کے مشاہدہ کے بغیر نہیں ہو سکتی، جب دل اور روح کو ذکر و فکر کی قابل ذکر خوراک ملتی ہے، تو وہ دکھ، غم اور اذیت کے بے پناہ احساسات سے محفوظ ہو جاتے ہیں، چونکہ جسمانی نظام روح کے تابع ہوتا ہے، اس لئے روح اپنی خوشی، حلاوت اور سکینت کے اجزاء پورے جسمانی نظام کو منتقل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے، اس طرح روح کو توانائی ملنے سے وہ فقر، زہد اور دنیا کے اپنے کم سے کم حصہ پر راضی ہونے لگتی ہے۔

سکون کی تلاش بذریعہ مادی سامان، سکون کی تلاش بذریعہ دولت یہ دراصل نفس کا فریب ہے، اس طرح نفس، فرد و افراد کو ساری زندگی مادی دنیا میں مصروف رکھکر، ایک تو حقیقی خوشی سے محروم رکھنے کا ذریعہ بنتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ فرد کا روح سے رشتہ منقطع کر کے، اسے اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے۔



روح اس دنیا میں بھی محبوب حقیقی سے وصال کی آرزومند ہے، تو آخرت میں تو وہ محبوب کو ایک نظر دیکھے بغیر رہ نہیں سکے گی، اُس وقت جب مادہ پرست فرد کو یہ دھمکی ملے گی کہ میں ان سے نہ تو کلام کروں گا، نہ انہیں دیکھوں گا اور نہ ہی انکا تزکیہ کروں گا تو یہ دھمکی دراصل کئی جہنموں پر بھاری ہوگی۔

یہ کتنے بڑے خسارہ کا سودہ ہے، جو فریب نفس کو نہ سمجھنے اور مادہ پرست افراد کے دوستی ماحول کی وجہ سے ہوتا ہے۔

دنیا اور دولت پر ٹوٹ پڑنے کا میلان اور رجحان ویسے بھی انسانی شرف اور مردانگی کے منافی ہے، اس میلان سے بچنے کے لئے تزکیہ ضروری ہے، تزکیہ ہی فلاح اور نجات کی راہ ہے، تزکیہ کا مفہوم ہے نفس کو مادی نوعیت کے گند سے پاک وصاف کرنا۔

نفس جب تک پاکیزگی کے مراحل سے نہیں گزرتا، تب تک وہ نہ تو نفس مطمئنہ کے مقام پر فائز ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ محبوب حقیقی کی معیت اختیار کرنے میں روح کا ساتھ دے سکتا ہے۔

# اللہ کی محبت اور سچی روحانیت کو

## عقل کے ذریعہ سمجھنے کے نتائج

وہ افراد قابل رحم ہیں، جو فطرت سلیمہ کی حفاظت نہ ہونے کے بعد اللہ کی محبت، اللہ سے عشق، اس کی معرفت، سچی روحانیت اور تزکیہ کی باتوں کو عقل کے ذریعہ سمجھنا چاہتے ہیں یا گفتگو کے ذریعہ ان کا ادراک حاصل کرنا چاہتے ہیں، تزکیہ اور اللہ سے محبت اور اس کی معرفت یہ دین کے مقاصد میں شامل ہیں، جب فرد زیادہ دیر تک ان چیزوں سے دوری اختیار کرتا ہے یا علمی وذہنی برتری کی وجہ سے اپنی خاص نفسیات بنالیتا ہے تو پھر ہوتا یہ ہے کہ سچی روحانیت اور اللہ کی محبت و معرفت کی راہ میں حجابات پیدا ہو جاتے ہیں، یہ حجابات فرد کو دین کی ان نصب العینی چیزوں کے فہم سے قاصر بنا دیتے ہیں۔

فرد صبر و شکر، رحم دلی اور اخلاق حسنہ وغیرہ سے محروم ہونے ہونے کے باوجود ضد کی نفسیات کا حامل ہو جاتا ہے اور بضد ہوتا ہے کہ اسے عقل واستدلال کے پیمانہ سے روحانیت اور معرفت کی حقیقت سمجھائی جائے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عقل اور الفاظ کا دائرہ اتنا محدود اور تنگ ہے کہ اس کے ذریعہ سے معرفت اور روح کی گہرائیوں تک پہنچنا ممکن نہیں، معرفت ہو یا سچی روحانیت یا تزکیہ ہو، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جن کے لئے عقل اور استدلال سے عجز کی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے یا عقل سے کچھ عرصہ کے لئے دستبرداری اختیار کرنی پڑتی ہے۔

بُرا ہو ذہنی اور علمی برتری کا کہ وہ فرد کے لئے محبوب حقیقی کی محبت کی راہ پر گامزن ہونے سے روکنے کے لئے استدلال کا انبار لا کھڑا کر دیتی ہے، اس طرح فرد وافراد زندگی بھر لچھے دار گفتگو اور علمی وذہنی برتری کی وجہ سے اللہ کی معرفت اور سچی روحانیت سے محروم رہتا ہے اور قلبی سکون کے لئے ترستا رہتا ہے اور عام طور پر اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ دنیا بھر کی معلومات کے باوجود مزاج کے خلاف معمولی واقعہ اس کو بے قرار کر دیتا ہے، اور وہ صبر و شکر تحمل و بردباری جیسے اوصاف سے محروم رہتا ہے۔



# بزرگان دین کے علوم سے عدم آشنائی کی شکایت

## اور شناسائی کی صورت

بزرگان دین کے علوم جو قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں، ان علوم میں گہرائی ہونے اور نفس پرستی کی قوتوں کا گہرا فہم ہونے کی وجہ سے ان کے یہ علوم عام طور پر ہمیں سمجھ میں نہیں آتے، ان کے یہ علوم دراصل آتش عشق میں جلنے کا نتیجہ ہوتے ہیں، چونکہ ہمارا نفس اور نفسی قوتیں توانا ہوتی ہیں، اس لئے ہمیں شکایت ہوتی ہے کہ بزرگوں کے بیان کردہ نکات یا ان کے نفس پرستی کی قوتوں کو مطیع کرنے کے علوم ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک نفسی حجابات اور نفسی کدورتیں غالب ہیں، تب تک دل اور روح کی نزاکتوں کا فہم اور نفس مطمئنہ کی نوعیت کو سمجھنا دشوار ہی نہیں، بلکہ دشوار تر ہے۔

بزرگوں کے علوم چونکہ نفس کو تزکیہ کے مراحل سے گزار کر، نفس مطمئنہ تک پہنچانے اور دل اور روح کو اللہ کی محبت سے سرشار کرنے سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم ان چیزوں سے عملی طور پر دور ہیں، ہمیں کتابی علم اور استدلال سے گفتگو کرنے کا ڈھنگ تو آتا ہے، لیکن ہم اللہ کے نور سے دیکھنے کی صلاحیت سے قاصر ہیں، حدیث شریف ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرا کرو اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

ہم اگر چاہتے ہیں کہ بزرگوں کے علوم اور ان کی حقیقی نوعیت کو سمجھ سکیں اور لاکھوں بزرگان دین کے بیان کردہ نکات کا فہم حاصل سکیں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کی محبت اور سچی معرفت کے لئے اپنے اندر میں حقیقی اضطراب پیدا کریں، جب یہ حقیقی اضطراب پیدا ہو گا تو ہم نفس پرستی کی قوتوں سے معرکہ آرائی کی راہ اختیار کر سکیں گے، اس طرح ہمیں حب جاہ، حب مال، حرص حسد، جلن خود نمائی اور خود ثنائی جیسے بے پناہ جذبات سے واسطہ پڑے گا اور عرصہ تک ان قوتوں کا مشاہدہ ہوتا رہے گا، جب نفسی حجابات دور ہونا شروع ہوں گے تو اللہ کے نور سے دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی جائے گی، اور اس کے بعد ہی بزرگوں کے علوم کی حقیقت ہم پر واضح ہو گی اور قرآن وسنت میں موجود نور تک رسائی حاصل ہو گی، اس طرح بزرگوں کے علوم کے عدم فہم کی شکایت دور ہو گی۔

# قرآن کو پیش کرنے کے لئے

## سلف صالحین کے قرآنی علوم سے استفادہ کی ضرورت

میرا یہ دعویٰ کہ میں نے قرآن کو لغت، اپنے علم اور اپنی ذہانت سے سمجھکر، اس کی معنیٰ ومفہوم کو پیش کرنے کی کوشش ہے، نیز میرے ذہن اور علم نے مجھ پر جس طرح قرآن کے مفہوم کو آشکار کیا ہے، اسے میں نے تفسیر کی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

میرا یہ دعویٰ صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ قرآن کا مفہوم اور اس کی روح کے فہم کا ایک پورا تسلسل ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے صحابہ کرام سے تابعین کرام نے، اس کے بعد پورے تسلسل سے علماء نے اپنے پیشرو علماء سے حاصل کیا ہے۔

قرآن کو صحیح طور پر سمجھنے کی صورت یہی ہے کہ سلف صالحین اور علمائے ربانیین نے قرآن کو جس طرح سمجھا ہے، ان کے فہم قرآن سے بھرپور استفادہ کیا جائے اور تبحر علمی، رسوخ فی الدین، عربی زبان پر پوری طرح دسترس کے ساتھ ساتھ تقویٰ کے بہتر مقام کے حصول کی کوششیں بھی ہوں، اس کے بعد ہی بھرپور علمی وذہنی صلاحیتوں سے قرآن کا جو مفہوم پیش ہوگا، وہ صحیح ہوگا، دوسری صورت میں قرآن کی تشریح کے نام پر نئی تشریح ہوگی، جس میں قرآن کے پیش کردہ نصب العین اور فرائض وواجبات کے نظام میں تغیر و تبدل کا خطرہ درپیش ہوگا اور اس کا حقیقی مفہوم متاثر ہوگا۔

قرآن کی جب بھی سلف صالحین کی پیش کردہ تشریح سے بھرپور استفادہ کے بغیر اپنے علم اور عقل کی مدد سے تشریح ہوئی ہے تو اس سے فائدہ سے زیادہ نقصان ہوا ہے اور امت میں نئے گروہ پیدا ہوئے ہیں اور قرآن کے نام پر جدوجہد کے نئے رخ متعین ہوئے ہیں۔



مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ میں فہم قرآن کے سلسلے میں سلف صالحین کی مسلمہ حیثیت کو نظر انداز کرکے، قرآن کی نئی علمی تشریح کروں، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو سلف صالحین کا متبادل سمجھتا ہوں۔ یہاں اس کی صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے، غلام احمد پرویز صاحب نے قرآن کو سلف صالحین کی بجائے اپنے ذاتی علم، لغت اور عقل کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں مفہوم القرآن، ابواب القرآن اور لغت قرآن کے نام سے ضخیم جلدوں پر مشتمل کتابیں بھی لکھیں، لیکن اس کا حاصل گمراہی کی صورت میں نکلا۔

چونکہ قرآن کے الفاظ کے بہت سارے معنیٰ ہیں، اس لئے قرآن کے وہی معنیٰ ومفہوم قابل قبول ہوگا، جو سلف صالحین کے تسلسل سے ہم تک پہنچا ہے۔

یقیناً نئے دور میں نئے اسلوب سے قرآن کو پیش کی ضرورت ہے، لیکن یہ ضرورت پیش کرنا ھاشا کے بس کی بات نہیں ہے، اس کے لئے سلف صالحین سے ذہنی وعلمی مطابقت، قرآن میں عرصہ تک ڈوبتے رہنے، تزکیہ وتقویٰ کی صلاحیتوں سے بہرہ وری اور عرصہ تک اہل اللہ کی صحبت ناگزیر ہے، اس کے بغیر قرآن کی اپنے علم وفہم سے جو تشریح ہوگی، اس سے امت میں نئے گروہوں کا اضافہ ہوگا اور امت کا تسلسل متاثر ہوگا اور قرآن کے مفہوم میں بھی تغیر واقع ہوگا۔ اور اس طرح کی قرآنی تشریح سے جدوجہد کا رخ افراد کی ذات اور افراد معاشرہ ہونے کی بجائے خارجی زندگی میں جدوجہد ہوگی، جس سے افراد کی زندگیاں تضادات سے عبارت ہوجائیں گی۔

# غلبہ اسلام کی ضرورت اور
## اس کی صحیح ترتیب

اسلام کے بارے میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ وہ مکمل نظام زندگی ہے، جو زندگی کے سارے شعبوں کے بارے میں تعلیمات دیتا ہے، اس لئے اسلام کے نفاذ کے لئے جدوجہد ایک اعتبار سے دین کے مقاصد میں نہیں تو فرائض میں ضرور شامل ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ اسلام خلافت کے نظام کے احیاء کا علمبردار ہے، اس کے بغیر اسلام کے سارے تقاضے پورے نہیں ہوتے، اسلام، مسلم امت کو مظلومیت اور بے بسی کی حالت سے اوپر اٹھا کر، دنیا کی بہترین ملت کی حیثیت سے سامنے لانا چاہتا ہے، جو اسلامی تعلیمات اور اسلامی قوانین پر پوری طرح عمل پیرا ہونے سے ممکن ہے۔

مسلمانوں کی حالت میں بہتری کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی، جب تک وہ اسلام کے غلبہ اور احیائے خلافت کے کام کے لئے جدوجہد نہیں کرتے، اس لئے کہ مسلمانوں کی زندگی میں اسلام کے صحیح ثمرات اسی وقت ظاہر ہوں گے، جب اسلام کی سیاسی، اجتماعی، معیشتی اور معاشرتی شعبوں میں اسلامی تعلیمات کا نفاذ ہوگا اور اس کی برکتوں کا ظہور ہوگا۔

یہ وہ وقت ہوگا، جب دنیا کے سامنے بھی اسلامی نظام اپنی ساری خیر و برکتوں کے ساتھ ظاہر ہوگا اور انہیں اپنی اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں درپیش بحران سے بچاؤ کی صورت اسلام کے عدل اجتماعی میں ہی نظر آئے گی، اس طرح کی اسلامی ریاست سے مسلمان ہی نہیں، بلکہ پوری انسانیت کے لئے اسلام نجات دہندہ کی حیثیت سے سامنے آئے گا۔

لیکن اس طرح کی اسلامی ریاست کے لئے سب سے پہلا کام جو کرنا ہوگا، وہ غلبہ دین کا کام کرنے والے افراد کی اصلاح و تزکیہ کا کام ہے، نفس کی اصلاح اور اس کی پاکیزگی کے کام کے بغیر غلبہ دین اور احیائے دین کے کام میں پیش قدمی کی صورت کا پیدا ہونا ممکن نہیں، اس لئے کہ جو افراد اپنی



انفرادی حیثیت میں پاکیزہ سیرت و کردار کے حامل نہیں، اخلاق حسنہ، محبت، نرمی، رواداری، ایثار وقربانی، دوسروں کی عزت و تکریم، امانت و دیانت، صبر و شکر اور افراد کی کوتاہیاں معاف کرنے جیسی صفات سے بہرہ ور نہیں، وہ غلبہ دین کی صورت میں اسلام کے پاکیزہ نظام کی صحیح ترجمانی و نمائندگی کر سکیں، اور اسلام کی مثالی تعلیمات کا نمونہ بن سکیں، ممکن ہی نہیں، اس لئے غلبہ اسلام کے لئے اولین کام جو کرنے کا ہے، وہ اسلام کے لئے کام والے افراد کا نفسی قوتوں سے مقابلہ کر کے، نفس کو مہذب بنانا ہے۔

دوسرا کام جو کرنے کا ہے، وہ معاشرہ کی اصلاح کا کام ہے، جب تک افراد معاشرہ کا قابل ذکر حصہ رضاکانہ طور پر اسلام کی پابندیاں قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو، اس وقت تک حکومتی سطح پر نفاذ اسلام کی راہ ہموار نہیں ہو سکتی۔

# نفسی قوتوں کے بارے میں

## نصابی کتب کے ذریعہ فہم پیدا کرنے کی ضرورت

نفسی قوتوں نے ریاست اور معاشرہ میں جو ہمہ گیر اور ہمہ جہتی فساد برپا کیا ہے، اس کے پیش نظر ضروری ہے کہ ان قوتوں کے فہم کے بارے میں شعور وادراک پیدا کیا جائے اور اس کام کو فیصلہ کن اہمیت دی جائے، ہمارے دردمند افراد مسلسل اس بات کا رونا روتے ہیں کہ کرپٹ اہل سیاست اور بیوروکریسی نے ملک کو لوٹ مار کے ذریعہ معاشی طور پر مفلوج کر دیا ہے اور اس کا جو علاج تجویز کیا جارہا ہے، وہ قانون کو متحرک کرنے کا علاج ہے، لیکن قانون سے نفسی قوتیں اور حب مال کے جذبات قابو میں نہیں آسکتے، اس کے لئے ضروری ہے کہ نفسی قوتوں کی سنگینی، ان کی مکر وفریب کی واردات، نفس کا طریقہ واردات اور معرفت نفس کے موضوع پر نصابی کتب میں تعلیم کا اہتمام کیا جائے، تاکہ نظام تعلیم افراد میں کسی نہ کسی حد تک کم از کم نظریاتی طور پر خود شناسی اور اللہ شناسی کا شعور پیدا کرنے کا ذریعہ ہو۔

اسے اسلام کا اخلاقی اور روحانی نظام بھی کہا جاتا ہے، اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام میں دل، نفس، روح اور عقل کی جداگانہ صلاحیتوں، ان کے باہمی تعلق اور ان کی خصوصیات سے بحث کی جاتی ہے۔

اسلام کا یہ اخلاقی اور روحانی نظام اگرچہ عملی نوعیت کا ہے، لیکن کم از کم اس کے خطوط ذہنی اور نظریاتی طور پر تو واضح ہوں، تاکہ فرد وافراد نفس پرستی کی قوتوں کی نوعیت کو کسی نہ کسی حد تک سمجھ سکیں، اس سے بچاؤ کی صورت تو اس کے بعد ہی پیدا ہو سکے گی۔

مسلم نفسیات کے ماہروں کا کہنا ہے کہ جب تک دل کی قوتیں نفس کی قوتوں پر غالب نہ ہوں گی تب تک فرد وافراد نفس پرستی کی قوتوں کے زیر اثر زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کے جنون،



خود پرستی، مفاد پرستی، انانیت، حرص وہوس، حسد وجلن، اپنی برتری، دوسروں کی تحقیر اور دنیا کے زیب وزینت کے سامان کے جذبات سے مغلوب رہیں گے۔ اور ان بیماریوں سے بچاؤ کی ساری تدابیر ناکامی سے دوچار ہوں گی، اس لئے ضروری ہے کہ معرفت نفس اور معرفت رب کے علم کو نصاب تعلیم کا حصہ بنایا جائے۔ بھٹ شاہ (سندھ میں) اس سلسلہ میں صوفی یونیورسٹی قائم ہوئی ہے، جو اس سلسلہ میں بہتر اور مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے، لیکن صوفی یونیورسٹی کے قیام کے پس منظر میں جو ذہنیت کارفرما ہے، وہ یہ ہے کہ تصوف وروحانیت کا ایسا پہلو اجاگر کیا جائے، جس میں اسلامی شریعت اور حمیت دین کا پہلو کمزور ہو اور سارے مذاہب کے میلاپ سے تصوف کا ایک ملغوبہ تیار کیا جائے۔

اس طرح کا تصوف اسلام کے اخلاقی وروحانی نظام سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا، اس سے معرفت نفس اور معرفت رب کی صورت کا پیدا ہونا بھی ممکن نہیں، اس لئے کہ مشرکانہ مذاہب میں سرے سے ایمانی عقائد ہی صحیح نہیں تو معرفت رب کا ادراک کیسے ہوگا۔

# خودرائی کی بیماری

## اوراس کے نتائج

اس دور میں خودرائی کی بیماری عام ہوئی ہے، خاص طور پر دینی اور روحانی معاملات میں خود رائی (یعنی اپنی رائے کو حرف آخر سمجھنا) سخت نقصاندہ ہے، عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ذہین افراد کی خودرائی کے پس پشت نفس کی قوت کارفرما ہوتی ہے، جو فرد وافراد کو دعویٰ کی راہ پر گامزن کرنے کا باعث بنتی ہے۔

دنیاوی مسائل ومعاملات میں بھی اپنے اپنے شعبہ کے ماہر افراد کی رہنمائی ضروری ہوتی ہے، اس کے بغیر فرد کے لئے مسائل کی گہرائی کو سمجھکر صحیح لائین اختیار کرنا دشوار ہوتا ہے۔

عام فرد کی خودرائی کا اثر اس کی ذات تک محدود ہوتا ہے، جب کہ علمی مزاج اور ذہنی صلاحیتوں کے حامل فرد کی خودرائی کا اثر معاشرہ پر گہرا پڑتا ہے، سیاسی دائرہ ہو یا مذہبی دائرہ، اس میں موجود انتشار وخلفشار کے پس پردہ مفادات کے ساتھ خودرائی کو بھی بڑا عمل دخل حاصل ہے۔

خودرائی کا علاج عاجزی وانکساری کی روش ہے، جو بزرگوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، لیکن چونکہ نفس اپنی بڑائی چاہتا ہے، اس لئے وہ بزرگوں کی بزرگی اور سرپرستی کو قبول کرکے، عاجزانہ روش اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں، خودرائی کتنے ہی اخلاص کا ساتھ ہو، ذہین علمی ومتحرک شخصیت کے لئے خودرائی اپنے لئے جداگانہ راہ اختیار کرکے، دوسروں کو اپنی اختیار کردہ راہ پر لگانے کا ذریعہ بنتی ہے اس طرح معاشرہ میں ذہین ومتحرک افراد کی خودرائی گروہ بندی کا موجب بن جاتی ہے۔

جب تک فرد چھوٹے پن کے مراحل سے گزر کر، علمی اور روحانی طور پر بہتر مقام پر نہیں آتا اور فرد میں عاجزی، انکساری اور اپنے سے بڑوں سے استفادہ کرنے کی پوری طرح صلاحیت پیدا نہیں



ہوتی، تب تک خودرائی ذہین افراد کو معاشرہ کو افتراق اور تقسیم سے بچا سکے، مشکل ہے۔ جس طرح عرض کیا گیا کہ خودرائی کے پیچھے بڑا پن اور نفس کی قوت موجود ہوتی ہے۔

جہاں تک اپنی رائے کو رائے کی حیثیت سے پیش کرنے کا تعلق ہے تو وہ بہتر چیز ہے اور افادیت کی حامل ہے، لیکن اپنی تحقیق اور اپنی رائے کو حرف آخر کی حیثیت سے سامنے لانا اور اس پر اصرار کرنا یہ سخت نقصاندہ ہے، اس لئے بزرگوں کے ہاں فرد کو خودرائی کے مضر اثرات سے بچانے کے لئے مجاہدوں کے مراحل سے گزارا جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے لئے اپنی رائے سے دستبردار ہونے کی تاکید کی جاتی ہے، تاکہ خودرائے کے پس پردہ کارفرما انانیت اور ذہنی وعلمی برتری کا جذبہ پامال ہو سکے۔

نفس پرستی کی قوتوں کے ماہروں کا بیان کردہ یہ نکتہ بجا ہے کہ نفس کی قوتوں کے مشاہدہ کے بغیر خودرائی کی بیماری ذہین ومتحرک علمی شخصیتوں کو معاشرہ کو جتنا بھی نقصان پہنچانے کا موجب بنے، کم ہے۔

# عبرت وموعظت کی صلاحیت کا سلب ہونا، عتاب کی علامت ہے

قرآن نے ماضی کی قوموں کی سرکشی اور انکار کی روش اور اس کے نتیجہ میں ان کو ملنے والی سزا اور عذاب کا بار بار ذکر کیا ہے، ان کا بار بار ذکر دراصل ہمارے انتباہ کے لئے ہے کہ ہم ان قوموں کی طرح سرکشی کی روش سے باز آجائیں۔

ماضی کی قوموں کی سرکشی اور اطاعت کی راہ پر نہ آنے کا سبب دراصل نفس پرستی کی قوتوں کے غلبہ ہی کا نتیجہ تھا، اس میں تکبر، حسد اور برتری کی نفسیات وغیرہ شامل تھی، اس میں علم کی کمی کو زیادہ عمل دخل نہیں تھا، بلکہ خواہشات کے غلبہ کی عادت نے ان کی عبرت وموعظت کی صلاحیت سلب کرلی تھی، قرآن میں فرعون اور فرعونیوں کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے دلوں نے یقین کر لیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو تعلیمات لائے ہیں وہ برحق ہے، لیکن انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے انکار کیا۔

جب حق وصداقت کا پیغام خواہشات نفس سے ٹکراتا ہے تو عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ فرد وافراد نفس کی خاطر حق سے انکار کی روش کو اختیار کرتے ہیں، یہ ایسی روش ہے جس کا اکثر قوموں کی طرف سے مظاہرہ ہوتا رہا ہے۔

اللہ نے انسانی فطرت میں اپنی عبادت اور اطاعت کے داعیے (تقاضے) کو رکھدیا ہے، اگر فطرت کے اس تقاضے کو صحیح خطوط پر پروان چڑھنے کا موقعہ ملتا رہے تو فرد عبادت، اطاعت، ذکر وفکر، اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کے ارتقا کے مراحل طے کر سکتا ہے، لیکن انسان کی آزمائش کی خاطر اس میں نفس کی جو قوت رکھی گئی ہے، وہ فرد کو مادیت پرستی کی راہ پر گامزن کرکے، فطرت اور فطری



تقاضوں سے دور کرنے کا موجب بنتی ہے، اس طرح عبادت واطاعت کی راہ مشکل سے مشکل تر ہوتی جاتی ہے اور فرد نفس پرستی کی قوتوں کی زنجیر میں قابو ہو جاتا ہے۔

اس وقت انسانیت کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ وہ عالمی سطح سے لے کر محلہ کی سطح تک عام طور پر نفس پرستی کی قوتوں کے زیر اثر مادیت پرستی کی سرکش موجوں کی نذر ہے، فرد دنیا پرستی، مفادات، خود غرضی اور نفسا نفسی کی فضا سے اوپر اٹھکر، مخلصانہ عبادت واطاعت اور ذکر وفکر کی طرف آنے کے لئے تیار ہی نہیں۔

انسانیت کی یہ عمومی روش ایسی ہے، جس سے ایک طرف تو دنیا انسانیت کی پامالی اور جرائم سے بھر گئی ہے، دوسری طرف یہ روش اللہ کے عتاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

ضرورت ہے کہ افراد معاشرہ کو جھنجھوڑا جائے اور انہیں خواہشات نفس کی راہ اختیار کرنے کے نتائج سے آگاہ کیا جائے اور اللہ کی مخلصانہ عبادت واطاعت کی راہ کی دعوت دی جائے۔

# ایک فاضل شخصیت کی طرف سے

## مربی اساتذہ سے صحبت ورابطہ کی تلقین

ملک کے ایک بڑے مدرسہ کی فاضل شخصیت نے اپنے مدرسہ کے طلبہ کو سند کی تقریب سے خطاب کرتے وقت ایک اہم نصیحت فرمائی ہیں، وہ نصیحت یہ ہے کہ مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے مربی اساتذہ سے تعلق ورابطہ کو قائم رکھیں، دوسری صورت میں دینداری اور علم کے نام پر دنیاداری کی راہ پر گامزن ہونے اور وقت کے فتنوں سے بچنا مشکل ہے نیز دنیاداری کی یہ لائین اس طرح آئے گی کہ فرد کو اطلاع بھی نہ ہوگا کہ وہ دنیا کی دلدل میں پھنستا جائے گا اور ساتھ ساتھ علم اسے اس کے لئے دلائل بھی فراہم کرتا رہے گا۔

مذکورہ فاضل شخصیت کی طرف سے طلبہ کو یہ نصیحت ہر سال سند فضیلت کی تقریب کے موقعہ پر کی جاتی ہے۔

فاضل شخصیت کا بیان کردہ یہ نکتہ انتہائی اہم ہے، سوال یہ ہے کہ مربی اساتذہ سے تعلق کے بغیر علم اور ظاہری دینداری فرد کو دنیاداری یا جدیدیت سے تاثیر پذیری کی راہ پر گامزن کرنے کا باعث کیوں بنتی ہے؟ دراصل نفس ایک شوریدہ اور خوفناک قوت ہے، نفسی قوتوں کی لہریں ہر وقت اندر سے اٹھتی رہتی ہیں اور مادہ پرستی کا ماحول نفسی قوتوں کو مزید ابھارنے کا کردار ادا کرتا ہے، اگر اپنے مربی اساتذہ سے تعلق قائم ہے تو ان کے دل سے للھیت اور اخلاص کے اجزاء نکل کر دل میں داخل ہو کر، نفسی قوتوں کی روک تھام کا کردار ادا کرتی ہیں اور فرد کے شعور کو بھی نفسی قوتوں کی یرغمالی سے بچاتی رہتی ہیں۔ یہ تعلق منقطع ہونے کے بعد فاسد ماحول کے غلبہ کی وجہ سے نفسی قوتوں کو دل اور ذہن کو یرغمال بنا کر، بہتر سے بہتر علم کلام اور دلائل کے ذریعہ سے مادیت، جدیدیت اور دنیاداری کی راہ پر لگایا جاتا ہے۔

نفس کو مربی اساتذہ کی صحبت کے انوار اور ذکر وفکر کے مجاہدے ہی اسلام کے صحیح خطوط پر گامزن رکھ سکتے ہیں، علم اور استدلال اس سلسلے میں بہت زیادہ مفید ثابت نہیں ہو سکتا، البتہ جب



صحبت کے انوار اور مجاہدوں سے نفس ایک حد تک مہذب ہو جاتا ہے، اس کا قابل ذکر حد تک تزکیہ ہو جاتا ہے تو اس وقت علم غیر معمولی طور پر مفید اور بابرکت ثابت ہوتا ہے۔

اس دور میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ جن باصلاحیت فارغ علماء نے بھی مذکورہ فاضل شخصیت کی اس نصیحت کی خلاف ورزی کی، وہ جدیدیت اور دنیاداری کی تیز لہروں کی نذر ہو گئے اور ان کا علم اور ظاہری دینداری انہیں اس سے روکنے میں ناکام ثابت ہوئی۔

اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس دور میں دنیا بہت خوبصورتی سے سامنے آئی ہے۔ دنیا کے حصول کی جدوجہد میں علم کو استعمال کرنا آسان ہے نیز ذہین افراد میں علم اور اجتہاد کے نام پر وقت کے فتنوں سے متاثر ہونے کی روش عام ہوئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نفس لوامہ کو طاقتور بنانا انتہائی ناگزیر ہے، نفس کی یہی حالت نفس امارہ کا مقابلہ کر سکتی ہے، دوسری صورت میں فرد ہر وقت خطرہ سے دوچار ہونے لگتا ہے۔

اس نکتہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اپنے مربی استاد کی صحبت اور ان سے رابطہ سے فرار اور ذکر وفکر کی کم سے کم خوراک سے محرومی نفس کا بڑا فریب ہے، ایسے افراد پر نفسی قوتیں آسانی سے یلغار کر کے، انہیں اپنا شکار بنا لیتی ہیں۔

# زندگی کا رخ متعین کرنے میں
## عشق ومحبت کا کردار

محبت اور عشق ایسی چیز ہے، جس سے زندگی کا رخ، اس کا مقصد اور اہداف متعین ہوتے ہیں محبت اور عشق صلاحیتوں، توانائیوں اور وقت کے استعمال کے سلیقہ سے آشنا کرتی ہے، فرد کو اپنی بیوی اور بچوں سے محبت ہوتی ہے، اس لئے وہ ان کے لئے آٹھ دس گھنٹے کا وقت نکالنے سے بھی نہیں ہچکچاتا، عشق ومحبت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ وقت، ذہنی اور جسمانی توانائیوں کو نچوڑنے کا ذریعہ بنتا ہے، لیکن انسان اپنی تخلیق کے اعتبار سے اس بات پر مجبور ہے کہ وہ مادی نوعیت کی جائز محبت کے ساتھ ساتھ پاکیزہ نوعیت کی محبت کے جذبات کی تسکین کا بھی انتظام کرے، جب ان دونوں محبتوں کے درمیان توازن قائم ہوگا تو فرد کے سارے جذبات حسن کی تشفی وتسلی کی صورت پیدا ہوگی۔

مادیت کے غلبے کی وجہ سے اس وقت ہم صرف مادی نوعیت کے عشق ومحبت سے آشنا ہیں، جس کی وجہ سے ہماری شخصیت اور ہماری زندگی کا توازن بگڑ گیا ہے۔ انسان جسم کے ساتھ ساتھ روح اور روحانیت سے بھی عبارت ہے، روح اپنی خالق ہستی سے محبت کے والہانہ رشتہ سے جڑا ہوا ہے، روح کو محبوب حقیقی سے والہانہ محبت کے اجزاء سے بہرہ ور کئے بغیر ہمارے محبت کے پاکیزہ جذبات کی تشفی ہرگز نہیں ہوسکتی، اس موضوع پر تفصیل کے لئے ہماری ویب سائیٹ ملاحظہ کیجئے۔

روح جوہری چیز ہے، اس کا مادہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، روح ہر وقت اپنی خالق ہستی کے بارے میں بے چین رہتی ہے، روح اپنی یہ بے چینی ذہن، نفسیات، اعصاب اور دل کی طرف منتقل کردیتی ہے، جس سے بہت ساری بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، جس طرح جسم کو صحتمند رکھنے کے لئے مناسب خوراک کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ روح کو خوراک کی ضرورت ہوتی ہے، روح کی یہ خوراک انوار حسن کے اجزاء سے بہرہ وری کی خوراک ہے، جس سے روح کے جذباتِ حسن کی تسکین ہوتی رہتی ہے، دوسری صورت میں روح بیمار ہو کر فرد کو موت کے سے حالات سے دوچار کردیتی ہے۔



جدید انسان کی بے شمار نفسیاتی، ذہنی اور وجدانی نوعیت کی بیماریوں کا بنیادی سبب ہی یہ ہے کہ روح کو اس کی مطلوبہ غذا دینے کی ضرورت کا احساس باقی نہ رہا ہے۔

سچی روحانیت کا عملیات، وظائف، کشف کرامات اور جعلی اہل تصوف کی رسومات سے کوئی تعلق نہیں ہے، سچی روحانیت یہ ہے کہ فرد کا اپنے حقیقی خالق سے تعلق قائم اور مستحکم ہوجائے، اس مقصد کے لئے بزرگوں کے ہاں کچھ روحانی نوعیت کی مشقوں کا اہتمام رہا ہے، جس سے روح پر طمانیت کی حالت طاری ہوتی ہے اور روح اپنے احساسِ طمانیت کے کچھ اجزاء دل، دماغ، نفسیات اور اعصاب کی طرف بھی منتقل کرتی ہے، جس سے انسانی شخصیت میں ٹھہراؤ، توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور وہ سارے انسانی اوصاف پیدا ہونے لگتے ہیں، جو انسانیت کا خاصہ ہیں۔

# مراقبہ (میڈیٹیشن) کا اسلامی تصور

دنیا میں مراقبہ (میڈیٹیشن) کے بہت سارے طریقے رائج ہیں ان سارے طریقوں سے نفسیاتی طور پر ضرور کچھ فوائد مرتب ہوتے ہیں، لیکن اسلام میں مراقبہ کا تصور، ایسا ہے جو انسان کے سارے جذباتِ حسن کے تشفی کے لئے کافی وشافی ہے اور شخصیت میں ٹھہراؤ اور پاکیزگی پیدا کرنے میں بھی غیر معمولی طور پر معاون ومددگار ہے۔

مراقبہ کا اسلامی طریقہ دراصل دل کی دنیا میں انقلاب برپا کرکے، شخصیت میں موجود ہر طرح کے تلاطم کو ختم کرتا ہے اور شخصیت کو بے قراری وبے چینی کے انگاروں سے نکال کر، خوشی ومسرت وحلاوت کے لازوال احساسات سے سرشار کرتا ہے۔

اس طرح اسلامی مراقبہ ایک نئے پاکیزہ اور سب سے محبت کرنے والے انسان کو جنم دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔

مراقبہ سے شخصیت میں موجود حیرت انگیز قوتوں سے نہ صرف آشنائی ہوتی ہے، بلکہ ان قوتوں پر فتحیابی بھی حاصل ہونے لگتی ہے۔

موجودہ دور کے پیدا کردہ سارے مسائل، جس سے اس وقت انسان دوچار ہے، جن مسائل نے انسانی زندگی کو شدید بحران سے دوچار کیا ہے، ان سارے مسائل کا بنیادی سبب یہ ہے کہ جدید انسان نے اندر میں غوطہ زنی کرکے، رحمانی قوتوں تک رسائی حاصل کرنے کے کام سے انکار کی روش اختیار کی ہے، جس کی سزا کے طور پر انسان کو بے رحم مادی قوتوں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔

اقبال کا شعر ہے

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی



# نوجوانوں کا مادہ پرست قوتوں کے زیر اثر ہونا

آج ہماری نوجوان نسل نہ چاہتے ہوئے بھی مادہ پرست قوتوں کی اثرات کی زد میں ہے اور مادے کی بے رحم طاقتیں ان کی زندگیوں کو زیر وزبر کررہی ہیں، مادی زندگی کو مقصود بنانے کے جو نتائج ظاہر ہورہے ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) دنیا کی محبت اور حرص کی نہ ختم ہونے والی دوڑ کا شروع ہونا (۲) اشتعال اور جھنجھلاہٹ میں اضافہ کا ہونا (۳) زندگی سے مایوسی وبے زاری کا ہونا (۴) مادی حسن پر فریفتگی کا ہونا (۵) ذہن اور دل میں جنسی خیالات وجذبات کی ہیجان خیزی کا پیدا ہونا (۶) پاکیزہ صفات اور نیک اعمال سے کراہت وبے زاری کا ہونا (۷) مادہ پرست اور خواہشات کے اسیر دوستوں کی صحبت کا ہونا (۸) نشہ آور چیزوں کا سہارا لینے کی کاوشوں کا ہونا (۹) اخلاقات سے عاری زندگی کا ہونا (۱۰) ادب وآداب اور اپنی پاکیزہ اقدار سے دوری وغیرہ۔

یہ کتنے بڑے نقصانات ہیں، جو مادی زندگی کو مقصود بنانے کا لازمی نتیجہ ہیں، اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے لئے دنیا کی یہ زندگی بھی تلخیوں اور دکھوں کا نمونہ اور باعث ہے تو آخرت کی زندگی بھی۔

اس طرح کی صورتحال میں مایوس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس بحران سے نکلنے کے لئے اپنے اندر حقیقی طلب اور امنگ پیدا کریں اور مادیت اور مادہ پرستانہ ماحول اور نفس پرستی کی قوتوں سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے اپنے فکر ونظر کو تبدیل کریں اور اسے درست کریں، اس کے بعد روحانیت کی وہ مشقیں شروع کریں، جو نفسی اور مادی قوتوں پر رحمانی وملکوتی قوتوں کو غالب کرنے کا ذریعہ ہیں۔

یقین جانیں ایسا کرنے سے آپ نہ صرف مادیت اور نفسی قوتوں کے خلاف حصار باندھنے میں کامیاب ہوں گے، بلکہ آپ کو خوشی ومسرت کی نئی زندگی بھی حاصل ہوگی، نیز آپ اپنے عزیز واقارب، دوست واحباب اور معاشرے کے لئے باعث خیر وبرکت ثابت ہوں گے۔

# کامیاب زندگی کے لئے

## تین چیزوں کی ضرورت

دنیاوی زندگی کو کامیاب، خوشگوار اور پاکیزہ بنانے کے لئے بالخصوص تین چیزوں کی ضرورت ہے، ایک مادیت اور نفسی قوتوں کی پیدا کردہ ظلمات یعنی تاریکی کے مقابلہ میں انوار الٰہی سے فیضیابی دوم مادی حسن پر فریفتگی کے بجائے معنوی اور حقیقی حسن کے اجزاء سے بہرہ وری سوم بے ہمتی اور بے حوصلگی کی قوتوں کا مقابلہ کرکے ہمت وحوصلہ اور توانائی کا حصول۔

یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں، جو روحانی نوعیت کی بعض مشقوں سے پیدا ہوسکتی ہیں اور شخصیت کا احاطہ کرسکتی ہیں، ان روحانی مشقوں کا تعلق اللہ کے ذاتی اور صفاتی ناموں کے تکرار سے ہے، جس سے انسانی شخصیت انوار سے سرشار ہوجاتی ہے، معنوی حسن سے بھرپور ہوجاتی ہے، ہمت وحوصلہ اور توانائی کے اعتبار سے کئی گنا زیادہ توانائی کی حامل ہوجاتی ہے، جب یہ تینوں نعمتیں حاصل ہونا شروع ہوجاتی ہیں تو مادی اور نفسی قوتوں کو فرار ہونے پر مجبور ہونا پڑتا ہے اور ان کے اثرات سے بھی چھٹکارہ پانے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے، روحانی مشقوں کا یہ سفر مشکل ضرور ہے، لیکن نفس کے دیو کو مفتوح اور فرد کو مہذب بنانے کا بھی مؤثر طریقہ یہی روحانی مشقیں ہیں۔

اللہ کے ذاتی اور صفاتی ناموں کے تکرار سے بندہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے، جس کا ذکر ایک حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ میں بندہ کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ کام کرتا ہے، میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے **"فاذکرونی اذکرکم"** (تم مجھے یاد کرو تو میں تمہیں یاد کروں)۔



# ضمیر کی بیداری کے بغیر

## انسانیت کا نئے نئے بحرانوں سے دوچار ہونا

اس وقت پوری انسانیت بڑے بحران کی زد میں ہے، یہ بحران معاشی بھی ہے تو اخلاقی وروحانی اور ضمیر کی مردگی کا بھی، ایک طرف عالمی سرمایہ دار نے انسانوں کے خون پسینے کی محنت کو نچوڑ کر مالدار سے مالدار تر بننے کی روش اختیار کی ہے، اس مقصد کے لئے جمہوریت اور حریت پسندی کا نقاب اوڑھ لیا ہے، دوسری طرف تیسری دنیا کے ممالک میں مقتدر اور مؤثر طبقات نے ملی بھگت کرکے، لوٹ مار کا ایسا سلسلہ شروع کر دیا ہے کہ دولت پانچ پرسنٹ افراد میں سمٹ کر رہ گئی ہے اور عام آبادی نانِ شبینہ کی محتاج ہوگئی ہے۔

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اس بحران سے نکلنے کے سارے راستے مسدود ہوگئے ہیں، اس لئے کہ یہ بحران دراصل انسانی حس کی مردگی اور ضمیر کے خاتمہ کا بحران ہے، نیز یہ حرص وہوس کے بے لاگ جذبات کا بحران ہے، جس پر بہتر سے بہتر قانون سازی اور بہتر سے بہتر عدالتی نظام سے بھی قابو نہیں پایا جا سکتا۔

جب تک ضمیر بیدار نہ ہو، فطرت سلیمہ کی حفاظت کا اہتمام نہ ہو، پاکیزہ روحانی صلاحیتوں کی ارتقا کی صورت پیدا نہ ہو، اس وقت تک اس بڑھتے ہوئے ہولناک بحران سے بچا نہیں جا سکتا۔

اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ تعلیم وتربیت کا ایسا نظام قائم اور رائج ہو، جس کے ذریعہ فرد کی سوئی ہوئی انسانی حس بیدار ہو، انسان کے اندر موجود ملکوتی قوتوں کو نفسی وجود پر غالب کرنے کا اہتمام ہو، یہ سارا کام ایسا ہے، جس کا تعلق باطن کی تبدیلی سے ہے، خارجی زندگی میں حقیقی تبدیلی داخلی تبدیلی ہی سے ہوسکتی ہے، اس کی دوسری کوئی صورت نہیں۔

# تصوف کی مروجہ صورت
# اور حقیقی تصوف

مروجہ تصوف، دراصل حقیقی تصوف کی جعلی صورت ہے، مروجہ تصوف میں پیر صاحب عام طور پر ذکر وفکر کے مجاہدوں کے ذریعہ نفس پرستی کی قوتوں کو فنا کرکے، اس مقام پر فائز ہونے میں ناکام ہوتا ہے، جہاں دل، دنیا کی محبت، جذبہ شہرت اور بزرگ ہونے کی انانیت کے بتوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے، موجودہ دور میں تصوف نے عام طور پر خاندانی وراثت کی صورت اختیار کر رکھی ہے، حالانکہ حقیقی تصوف کا خاندانی وراثت سے کوئی تعلق نہیں، بزرگی کا سارا تعلق ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں سے ہے، ان مجاہدوں کے ذریعہ سے اندر میں موجود حب جاہ، حب مال، حرص وہوس اور جذبہ شہرت پر مشتمل پورا بت کدہ ہے، جس کی ٹوٹ کا عمل جاری رہتا ہے، یہ بت خانہ آسانی سے نہیں ٹوٹتا، اس کے لئے طویل عرصے تک ذکر وفکر کے مجاہدوں سے کام لینا پڑتا ہے، جب یہ بت کدہ ٹوٹتا ہے تب دل کی دنیا آباد اور منور ہوجاتی ہے اور نفس امارہ، نفس مطمئنہ کے مقام پر فائز ہوجاتا ہے تو اس کے بعد کہیں جاکر خلافت اور بزرگی کا پروانہ ملتا ہے، اس میں مجاہدوں کے ساتھ ساتھ اللہ کے خاص فضل وکرم کو بھی عمل دخل ہوتا ہے، اللہ کو جس سے دوسروں کی تربیت کا کام لینا ہوتا ہے، اسے اس راہ پر چلا کر نفس کے مکر وفریب کی ہزارہا وارداتوں سے آشنا کرکے، اسے اس مقام پر فائز کرتا ہے۔

تصوف دراصل ہمارے تزکیہ وتربیت کا وہ ادارہ ہے، جو پچھلے چودہ سو سال سے کام کررہا ہے، لاکھوں بزرگان دین نے اپنی زندگیاں مجاہدوں میں صرف کرکے پہلے اپنا تزکیہ کیا، اس کے بعد وہ دوسروں کی تربیت واصلاح کے کام میں مصروف رہے۔ ہماری دعوت واصلاح کی ساری تاریخ انہی بزرگان دین سے وابستہ ہے، ہم اگر اپنی تاریخ سے ان بزرگان دین کو نکال دیں تو ہماری تاریخ روشن مثالوں سے خالی ہوجائے گی، تصوف کے سارے سلسلوں کا باقائدہ شجرہ ہے، اس شجرہ کے مطابق یہ سلسلے حضرت ابا بکرؓ اور حضرت علیؓ کے ذریعہ حضورﷺ تک پہنچتے ہیں۔

انوار کی منتقلی کا یہ سلسلہ ایک تسلسل سے بزرگان دین میں منتقل ہوتا آیا ہے، یعنی تصوف کے سارے سلسلوں کا مرکز حضورﷺ کے نور نبوت کے اجزاء ہیں، ایک ہے علوم نبوت، دوسرا ہے



نور نبوت، علوم نبوت سے ہمیں ساری زندگی کے لئے دین کی ظاہری تعلیمات ملتی ہے، نور نبوت سے باطن کی وسیع دنیا کی اصلاح وپاکیزگی ہوتی ہے، نیز فرد وافراد کے تہذیب نفس اور تزکیہ نفس کا عمل جاری رہتا ہے، نور نبوت حضورﷺ نے اپنی صحبت کے ذریعہ صحابہ کرام میں منتقل فرمائے، صحابہ کرام نے اپنی صحبت سے تابعین کرام میں یہ انوار منتقل کئے، علوم نبوت اور نور نبوت مل کر ہی ایسا معاشرہ تیار کرتے ہیں، جو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے ہمہ آہنگ معاشرہ ہوتا ہے جو مادیت پر ٹوٹ پڑنے کی بجائے بنیادی مادی ضروریات کے حصول تک اکتفا کرتا ہے، جو اللہ کی محبت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے۔

# حقیقی تصوف سے دوری،

## اسباب ونتائج

تصوف کی صحیح حقیقت، اس کی اصل نوعیت نہ سمجھنے اور کچھ جعلی اہل تصوف کی کثرت اور بدعات نے اور کچھ عقلیت کی تیز لہر نے تصوف واہل تصوف کو سخت نقصان پہنچایا ہے، اس کی وجہ سے ہوا یہ ہے کہ ایک تو عاملوں اور جعلی اہل تصوف نے حقیقی بزرگی کی صورت اختیار کی ہے، دوم یہ کہ عقلیت کی جدید تحریکوں کے زیر اثر اہل تصوف سے دوری کی صورت پیدا ہوئی ہے، اس کے نتیجے کے طور پر ایک تو حقیقی اہل تصوف کی خانقاہیں ویرانی کا منظر پیش کررہی ہیں، اس کا دوسرا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ ہمارا معاشرہ اخلاقی وروحانی طور پر ویرانی کا منظر پیش کررہا ہے، اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ لگ بھگ ہر فرد زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کے جنون میں مبتلا ہوگیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ذہنی، نفسیاتی اور روحانی امراض نے معاشرہ کو جکڑ لیا ہے۔

یہ ساری المناک صورت ہمارے حقیقی خانقاہی نظام کے اجڑ جانے کی وجہ سے ہی پیدا ہوئی ہے، انگریز کی آمد سے پہلے ہمارا معاشرہ روحانی اعتبار سے کافی بہتر حالت میں تھا۔

اس سے دوسو سال پہلے تک حالت یہ تھی کہ اکابر بزرگوں سے اصلاح نفس کے حوالے سے لاکھوں افراد وابستہ تھے، اب صورت یہ ہے کہ عاملوں اور جعلی بزرگوں سے تو رجوع ہے، لیکن نفس کے دیو کو قابو کرنے کے سلسلہ میں حقیقی اہل اللہ سے رجوع نہ ہونے کے برابر ہے، یہ سب سے بڑا المیہ ہے، جو اس دور میں ہوا ہے، موجودہ دور میں فکر کا بحران ہو یا دل کی ویرانی ہو، یہ سب حقیقی خانقاہی نظام سے دوری ہی کا نتیجہ ہے۔



# جعلی تصوف کو فروغ دینے کی کاوشیں

عالمی سرمایہ دار اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ مسلمان ممالک بالخصوص پاکستان میں ایسا تصوف فروغ پذیر ہو، جس میں میلے ٹھیلے، راگ رنگ، ناچ، موسیقی اور صوفی شاعروں کے کلام سے دھما چوکڑی کی فضا قائم ہو، اس طرح کے تصوف کو فروغ دینے سے عالمی سرمایہ دار کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی اجتماعی زندگی سے متعلق تعلیمات بالخصوص معاشرتی، عائلی، جہاد اور حمیت دین سے متعلق تعلیمات پر ضرب کاری لگائی جائے، اس طرح لوگوں کو تصوف کے نام سے اسلام کی پاکیزہ دینی اور روحانی تعلیمات سے دور کر دیا جائے، اس مقصد کے لئے عالمی سرمایہ دار جعلی تصوف کو فروغ دینے کے لئے کروڑہا ڈالر خرچ کر رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا تصوف یا ہماری روحانیت یا ہمارا مراقبہ، اسلامی تعلیمات اور افراد کے اسلامی مزاج کو فروغ دینے کا ذریعہ ہے، ہمارے تصوف اور مراقبہ کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ فرد وافراد جوں جوں مراقبہ میں آگے بڑھتے جائیں گے، اسی مناسبت سے اسلامی حمیت بیدار ہوتی جائے گی اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی استعداد پیدا ہوتی جائے گی، توحید میں رسوخ پیدا ہوتا جائے گا۔

تصوف یا مراقبہ کا ایسا تصور جس سے باطنی جذبات واحساسات میں پاکیزگی پیدا نہ ہو، اسلامی تعلیمات سے گہری وابستگی پیدا نہ ہو، یہ جعلی تصوف اور روحانیت کا جعلی تصور تو ہوسکتا ہے، حقیقی تصوف اور حقیقی روحانیت نہیں، اسلامی تعلیمات اور تصوف ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں، ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

مذاہب کی وحدت کی موجودہ کوششوں کا ہدف اسلام کو نشانہ بنانا ہے اور اس مقصد کے لئے تصوف کو استعمال کرنے کی کاوشیں ہورہی ہیں، صوفی یونیورسٹی کا قیام یا صوفیانہ راگ ورنگ کی بڑے پیمانہ پر محفلوں کا اہتمام یہ سب انہی کوششوں کا حصہ ہے۔

## اہل سیاست کو ایک دوسرے
## کے لئے جذبات احترام کی ضرورت

ہماری سیاست، صحافت اور الیکٹرانک میڈیا نے جو صورت اختیار کی ہے،وہ بڑی تشویشناک ہے، یہ ادارے تو ایسے ہیں جو کسی بھی قوم وملت کی صحیح ذہن سازی اور تربیت کا ذریعہ ہوتے ہیں، جب کہ ہمارے یہ ادارے ایک دوسرے سے نفرت، کدورت، دوری ودشمنی پیدا کرنے، ایک دوسری کی کردارکشی،قوم کی صحیح بنیادوں پرتعمیر کی بجائے حالات، مسائل ومعاملات کے منفی پہلو کی پیشکش کا موجب ہیں۔

ہماری سیاست طویل عرصہ تک دولت کمانے، اقتدار پر زیادہ سے زیادہ عرصہ تک فائز رہنے اور منصب کے حصول کا ذریعہ رہی ہے، اس لئے اقتدار سے محروم اہل سیاست کی ساری کاوشیں حکمرانوں کو ان کے عہدوں سے معذول کرکے،خود حکمرانی پر فائز رہنے کے مرکز کے گرد گھومتی ہیں، ہماری صحافت اور میڈیا سیاستدانوں کی باہمی لڑائی کو مرچ مصالحہ لگا کر پیش کرتی ہے، جس سے جہاں قومی اتحاد مجروح ہوکر، انتشار کی صورت پیدا ہوتی ہے، وہاں قوم کی منفی بنیادوں پر ذہنی تربیت ہوتی ہے اور سیاسی گروہ بندی مستحکم سے مستحکم تر ہوتی ہے۔

ہمارے اہل سیاست کو وسعتِ نظری کا ثبوت دینا چاہئے اور دولت اور منصب کے حصول کی خاطر سیاست کو ایک دوسرے سے تصادم کا ذریعہ بنانے کی بجائے سیاست کے صحتمندانہ آداب کا سلیقہ سیکھنا چاہئے، اگر اہل سیاست اور حکمران ہی ایک دوسرے سے متصادم ہوں گے اور اس تصادم کو وظیفہ بنائیں گے تو قومی تعمیر کے منصوبے کیسے شرمندہ تعبیر ہوں گے، اس مقصد کے لئے زبان کو قابو کرنے کا طریقہ سیکھنا ہوگا، اپنے جذبات کے مظاہرہ کے لئے احتیاط سے کام لینا ہوگا، اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دل میں ایک دوسرے کے لئے احترام کے جذبات موجود ہوں، ورنہ قوم کے اجتماعی شیرازے کے بکھرنے کا جوعمل جاری ہے، اس میں تیزی آتی جائے گی اور اجتماعی زندگی کی بہتری کی صورتیں مسدود ہوتی جائیں گی، اس طرح ہماری سیاست قوم کے لئے بڑا المیہ بن جائے گی۔



## دولت کا جنون،
## سکون قلبی کی بربادی کا ذریعہ

ہمارے حکمرانوں، سرمائیداروں، بیوروکریٹس اور بڑے بڑے ڈاکٹروں اور نامور وکیلوں نے دولت کے انبار جمع کر لئے ہیں، اگر وہ اس دولت کے ایک حصہ ہی کی قربانی دیں تو ریاست پاکستان بیرونی قرضوں سے آسانی سے نجات حاصل کرسکتی ہے اور عام لوگوں کی معاشی حالات میں بہتری آسکتی ہے، لیکن بُرا ہو دولت کی محبت اور حرص وہوس کے بتوں کا کہ دولت جمع کرنے کا ایک جنون ہے، جو سارے مؤثر طبقات میں پیدا ہوگیا ہے، ان کی دیکھا دیکھی متوسط طبقہ بھی اسی راہ پر گامزن ہے۔

دولت کا مقصد تو ذہنی سکون اور قلبی سکون کا حصول ہوتا ہے،لیکن اگر ذہنی اور قلبی سکون ہی برباد ہوجائے اور اس دولت کو محفوظ رکھنے کی فکر اور دولت سے مزید دولت بنانے کا جنون غالب ہوجائے تو ایسی دولت کا کیا فائدہ؟ بلکہ حقیقت شناس فرد کی تو حالت یہ ہونی چاہئے کہ سکون کی بربادی کی قیمت پر اگر اسے دولت کے انبار مفت میں حاصل ہوجائیں تو اسے قبول کرنے سے انکار کرنا چاہئے۔

قلبی سکون اور دولت کے انبار ایک دوسرے کے متضاد ہیں، کثرت دولت جہاں بھی آئے گی، وہاں سکون برباد ہوگا، ویسے بھی انسان کی بنیادی ضروریات محدود ہیں، دو وقت کی روٹی، دوچار جوڑے کپڑے، سادہ مکان اور سادہ سواری،قلبی سکون کی دولت ایسی عظیم نعمت ہے کہ ساری دنیا کے خزانے خرچ کرکے بھی سکون کی یہ نعمت عظمیٰ حاصل نہیں ہوسکتی، کیا آپ قلبی سکون اور ذہنی سکون کی نعمت چاہتے ہیں، اگر جواب اثبات میں ہے تو آپ کو اللہ کے ذاتی اور صفاتی ناموں کے تکرار سے دل کی ویران دنیا کو منور، شاداب اور آباد کرنا چاہئے۔ اس سے آپ کو دنیا پر ٹوٹ پڑنے کی نفسیات سے نجات ملے گی اور آپ اس دنیا میں ہی روحانی اور وجدانی طور پر جنت کے منظر سے محظوظ ہوں گے۔

## ذہنی اور نفسیاتی بالیدگی کی صورتیں

ہر دور میں ہر فرد کو جن چیزوں کی سب سے زیادہ ضرورت رہی ہے، جس سے فرد کی بہتر طور پر ذہنی اور نفسیاتی بالیدگی کی صورت پیدا ہوتی ہے، ان میں صبر وشکر کی نفسیات ہے، تھوڑے پر راضی رہنے کا مزاج ہے اور اللہ کی نعمتوں پر شکر ادائیگی کے احساسات ہیں، دنیا پر حریص ہو کر اس پر ٹوٹ پڑنے سے انکار کی روش ہے، سادگی کے ساتھ زندگی گذارنے کا سلیقہ ہے، اپنی دولت میں محروم افراد کا حصہ رکھنے کا احساس ہے، معیشت، معاشرت، انتظامیہ وسیاست میں بہتر اور پاکیزہ کردار کا مظاہرہ ہے۔

یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جس سے روحانی تسکین، قلبی سکون اور ذہنی اطمینان حاصل ہوتا ہے، حرص وہوس کے بتوں سے نجات ملتی ہے، فطرت سے ہمہ آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ یہی خصوصیات اور نعمتیں ایسی ہیں، جس سے ہم محروم ہیں، ہمارے آباؤ اجداد ایک حد تک ان خصوصیات سے بہرہ ور تھے، اس لئے وہ مالی کشادگی نہ ہونے کے باوجود خوشی وراحت کی زندگی گزارنے میں کامیاب ہوئے، جب کہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم دنیاوی مستقبل کی فکرمندی کیلئے لرزاں وترساں ہیں۔

ضرورت ہے کہ ہم اہل اللہ جو ان خصوصیات سے بہرہ ور ہوتے ہیں، ان کی صحبت سے اپنے اندر یہ خصوصیات پیدا کریں۔



## زندگی میں موجود زبردست خلا کو سمجھنے اور اسے پُر کرنے کی ضرورت

آپ اگر غور کریں گے تو محسوس کریں گے کہ آپ کی زندگی میں زبردست خلا موجود ہے، زندگی میں یہ خلا ایسا ہے، جس کے ہوتے ہوئے آپ مثبت اور صحتمند سوچ کے حامل نہیں ہو سکتے اور آپ تعمیر کا کوئی بھی کام صحیح خطوط پر نہیں کر سکتے، زندگی میں موجود اس خلا کی علامتیں یہ ہیں اپنی اصلاح کی فکر کی بجائے دوسروں کی خامیاں تلاش کرتے رہنا اور ان پر تنقیدی نگاہ کا ہونا، تھوڑی تھوڑی بات پر ناراض رہنے کی نفسیات کا غالب ہونا، اختلاف کے وقت سلیقہ اور سنجیدگی کے فقدان کا ہونا، دوسروں سے مفادات وابستہ کرنا، دوسروں سے اپنی تعریف کی امید رکھنا، تعریف نہ ہونے پر ناراض ہونا، معیار زندگی کو بلند سے بلند کرنے کی آرزوؤں کا ہونا، انانیت کے مظاہرہ کا ہونا، خودپسندی اور خودرائی کی نفسیات کا حامل ہونا، اپنے سے زیادہ تجربات کے حامل افراد کے تجربات ومشاہدات سے استفادہ کرنے کی صلاحیت کا نہ ہونا، بزرگوں کے ادب وآداب وتکریم کی استعداد کا نہ ہونا، دولت کو عزت کا معیار قرار دینا، اپنی اولاد کی شادیوں کے مواقع پر لاکھوں روپے اڑا دینا، اس طرح دوسروں کے لئے غلط مثالیں قائم کرنا وغیرہ وغیرہ۔

زندگی میں یہ خلا ایسا ہے، جسے سمجھنے اور اسے پُر کرنے کی ضرورت ہے، یہ خلا دراصل روح کے طاقتور نہ ہونے کا خلا ہے، روح جو انسان کی اصل شخصیت ہے، وہ خلا میں نہیں رہ سکتی، اسے محبوب حقیقی کے انوار حسن کی خوراک چاہئے، اسے یہ خوراک ذکروفکر کی روحانی مشقوں کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتی ہے، اس سے روح طاقتور ہونے لگتی ہے اور طاقتور روح سے پاکیزہ کردار کی نمود ہوتی ہے، ہماری زندگی میں موجود سارے خلا اسی سے پُر ہو سکتے ہیں۔

# قومی تعمیر نو کے کاموں کے لئے

## روحانی قوت کی ضرورت

تعمیر معاشرے کے بہت سارے کام ہیں جو ہماری توجہ کے محتاج ہیں اور جو ہمیں کرنے ہیں، مثلاً صحیح خطوط پر ذہن سازی کا کام ہے، یا محلّہ کی بنیاد پر محلّہ کے حساس افراد کو جمع کر کے، ان کے تعاون سے محلّہ کے محتاج، بے بس اور غریب افراد کی مالی معاونت کا کام ہے، یا غلط الزامات میں جو ہزاروں افراد جیلوں میں قید ہیں، ان کی اور ان کے پسماندگان کی مدد کا کام ہے، غریب افراد کے بچوں کی تعلیم کا کام ہے کہ اسکولوں کی فیس کی رقم نہ ہونے کی وجہ سے وہ تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں، اس طرح کے قومی تعمیر نو کے بہت سارے کام ہیں، جو ہمیں کرنے چاہئے، لیکن احساس ہونے کے باوجود یہ کام اگر نہیں ہوتے یا ہم ان کاموں کو سرانجام دینے کی ہمت وحوصلہ سے محروم ہیں تو اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم میں روحانی صلاحیت اور روحانی طاقت موجود نہیں ہے، فرد میں ہمت وحوصلہ اور تعمیر نو کے کرنے کا جذبہ روحانی طاقت ہی سے پیدا ہوتا ہے، نہ کہ محض علم اور معمولی نوعیت کے احساس سے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قومی تعمیر نو کے کاموں سے پہلے سب سے زیادہ اپنی شخصیت کی پاکیزہ بنیادوں پر تعمیر اور نشوونما کا کام ہے، جب روح قوی ہوجاتی ہے تو وہ شخصیت کو سماجی اور اجتماعی بہتری کے کاموں کے لئے اکسانے پر آمادہ کرتی ہے، روح کے قوی ہونے سے اس طرح کے کاموں کے لئے اخلاص، للھیت اور بے نفسی بھی آجاتی ہے تو بہتر سے بہتر اور نئی سے نئی تدابیر بھی سامنے آتی ہیں، ساتھ ساتھ اللہ کی مدد ونصرت بھی۔

اب سوال یہ ہے کہ روحانی طاقت کیسے پیدا ہو؟ روحانی طاقت کے لئے خودشناسی وخدا شناسی کی ضرورت ہے، جو اللہ کے ذاتی اور صفاتی ناموں کے تکرار اور روحانی نوعیت کی مشقوں سے پیدا ہوگی، ہمیں سب سے پہلے اس کام کو اہمیت دینا ہوگی، دوسری صورت میں ہم قومی تعمیر کے نام سے باتوں اور گفتگو برائے گفتگو سے آگے نہ بڑھ سکیں گے۔



# انسانیت کا باطنی بیماریوں میں جکڑ جانا

اس وقت انسانیت کا سب سے بڑا مسئلہ باطنی نوعیت کی بُرائیاں ہیں، جس میں ہم سمیت پوری انسانیت جکڑ چکی ہے، قوموں اور معاشروں میں موجود فساد کا اصل سبب یہی باطنی نوعیت کی بیماریاں ہیں، ان بیماریوں میں حاسدانہ جذبات وحاسدانہ کارروائیاں بھی شامل ہیں تو تکبر، انانیت، بڑے پن اور فوقیت کے احساسات وجذبات بھی، ان بیماریوں میں دنیا سے فریفتگی کی حد تک محبت کے میلانات ورجحانات بھی شامل ہیں تو شہرت، خودنمائی اور ریا کے جذبات بھی۔

ہر انسان کی آزمائش کی خاطر اس کے نفس کی ساخت میں بُرائیوں کے یہ طاقتور جذبات رکھ دیئے گئے ہیں، آزمائش یہ ہے کہ فرد ان جذبات کو پامال کر کے نفس کو مہذب اور پاکیزہ بنانے میں کامیاب رہتا ہے یا ناکام۔

انسان کے ان جذبات کی حیثیت سمندر کی گہرائیوں کی سی ہے جس میں بہت ساری مخلوق رہتی ہے، جس میں مگرمچھ بھی شامل ہیں یا وسیع تر جنگل کی سی ہے، جس میں ہر طرح کے درندے رہتے ہیں، نفس کی وسیع دنیا میں بھی خونخوار درندے رہتے ہیں، جو اپنے جیسے انسانوں کے لئے سم قاتل ہیں، اس وقت سرمایہ دار ہو یا مالدار یا بڑے بڑے منصب پر فائز افراد، وہ مقامی سطح سے لے کر عالمی سطح تک اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ جو سلوک اختیار کر رہے ہیں، دولت جمع کرنے کی خاطر ان کی جیبوں پر جس طرح ڈاکہ ڈال رہے ہیں، یا بھوک کی وجہ سے لوگوں کو خودکشی کرنے پر مجبور کر رہے ہیں، یہ اس بات کی واضح شہادت ہے کہ حب مال اور حب جاہ جیسی بیماریاں انسانیت کے لئے سم قاتل ہیں۔

ضرورت ہے کہ ان بیماریوں سے نجات حاصل کرنے اور نفس کی وسیع دنیا کے اندر موجود درندوں سے نفس کے جنگل کو صاف کر کے، نفس کو نفس مطمئنہ بنانے کے کام کو سارے کاموں پر ترجیح دی جائے، اسی سے انسانیت کی فلاح اور نجات وابستہ ہے۔

# قومی تعمیر کے کام کا

## نفس کو مہذب بنانے سے وابستہ ہونا

قومی تعمیر کے سارے کاموں کا تعلق نفس کو پاکیزہ اور مہذب بنانے سے ہے، اس کے بغیر قومی تعمیر کے کاموں میں خیر وبرکت ہو، ملت کی حقیقی تعمیر کا کام ہو، افرادِ قوم کو سکون کی نعمت عظمیٰ حاصل ہو، افراد معاشرہ کے باہمی تعلقات میں محبت اور خوشگواری کا عنصر شامل ہو، اہل سیاست، اہل تجارت اور قومی زندگی کے سارے طبقات میں خیر سگالی کی فضا موجود ہو، ممکن نہیں۔

نفس کو مہذب بنانے کے کام کی اتنی فیصلہ کن اہمیت کے باوجود یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ہمارا پورا نظام تعلیم تزکیہ نفس اور نفس کے اندر موجود قوتوں پر نہ تو بحث کرتا ہے اور نہ ہی نفس کے سدھارنے اور اس کی اصلاح کے سلسلہ میں کوئی کردار ادا کرتا ہے، ہماری سیاست کا بھی یہی حال ہے، جو سیاست قوم پر اثر انداز ہوتی ہے، وہ خود نفسیانیت اور اناؤں کے ٹکراؤ سے دوچار ہیں، ہماری صحافت اور الیکٹرانک میڈیا تو نفسی قوتوں کو طاقتور بنانے کا کردار ادا کرتی ہے۔

ان حالات میں قوم کی اصلاح ہو تو کیسے ہو، معاشرے میں موجود بڑھتے ہوئے فساد کی روک تھام ہو تو کیسے ہو؟

ضرورت اس امر کی ہے کہ سیاست، صحافت اور الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ افراد اپنی روش پر نذر ثانی کریں اور قوم وملت کی حالت زار پر رحم کھاتے ہوئے سیاست، صحافت اور الیکٹرانک میڈیا کو قومی تعمیر کے حقیقی مقصد کے لئے استعمال کریں، یہ کام ایسا ہے جو ان کی منصبی ذمہ داری سے تعلق رکھتا ہے۔